مادّیت و کمیونزم ؟

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

نام کتاب ———— مادیت و کمیونزم؟

تحریر ———— آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ ———— محمد خالد فاروقی

کتابت ———— سید جعفر صادق

ناشر ———— دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

تعداد ———— ۲۰۰۰

تاریخ اشاعت ———— ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ دسمبر ۱۹۸۷ء

اسلام اور سیاست

فہرست

" وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ"

"وہ کہتے ہیں نہیں ہے کچھ مگر یہی دنیاوی زندگی
یہیں جیتے ہیں اور یہیں مرتے ہیں اور ہم کو تو
زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔"

(سورۂ جاثیہ آیت ۲۴)

عرضِ ناشر

یہ بات درست نہیں کہ مادہ پرستی کا ظہور ونکامل براہِ راست علم اور علمی ترقی سے مربوط ہے۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو اس لحاظ سے بڑے بڑے مفکرین کی اکثریت مادی رجحانات کی حامل ہوتی، جبکہ صورتِ حال اس سے مختلف ہے جس کا ثبوت وجود اور عدم وجودِ خدا پر مختلف ہم عصر اور ہم پایہ مفکرین کے خیالات ہیں کہ جن کی واضح اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اس کائنات کو خداوند قادر نے خلق کیا ہے۔

دراصل مادہ پرستی کی ترقی اور لوگوں کو اس نظام کی طرف مائل کرنے میں مذہبی عناصر کی تعصّب پر مبنی روش، ان کی جدید علمی مباحث ومسائل سے بے خبری اور عملی طور پر استبداد اور استعمار کے معاملہ میں ان کی نرم روئی اور بعض اوقات دوستی اور ہمکاری، بنیادی وجوہات ہیں۔

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مذہب سے یہاں ہماری مراد، دینِ مبینِ اسلام نہیں بلکہ چرچ وکلیسا کا خود ساختہ مذہب ہے کہ جس کا خدا اور مذہب کے بارے میں جہالت پر مبنی طرزِ فکر پڑھے لکھے اور دانشمند افراد کو قائل نہ کرسکا اور پھر ان کی کٹھ حجتی اور اپنے موقف پر بے جا اصرار نے لوگوں کو مذہب سے دُور کردیا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ عوام الناس کے ساتھ کلیسا کا غیر انسانی سلوک اور اپنے خود ساختہ عقائد سے ذرہ برابر اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ ان کا رویہ بھی لوگوں کی مذہب سے دُوری کا سبب بنا۔

مذہب جو کہ درحقیقت امن، محبت اور ہدایت کا پیامبر ہے، یورپ میں لوگوں کو تنگ نظر، بے لچک اور استبدادی قوتوں کے آلۂ کار کے طور پہ دیکھنے کو ملا۔ ظاہر ہے عوام کے لیے اس کے مقابل مذہب اور خدا سے انکار کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔

یہاں ایک بار پھر ہم وضاحت کردیں کہ مذہب اور مذہبی شخصیات سے ہماری مراد یہاں چرچ اور اربابِ کلیسا ہیں کہ جنھوں نے اپنے ذاتی اثر و نفوذ و اختیارات کی خاطر ایسے خود ساختہ مذہب کی ترویج کی جو ان کی حاکمیت و اختیارات کا پاسبان ہو اور اس سلسلہ میں انھوں نے جابر سلطانوں اور مستبد حکمرانوں سے ساز باز سے بھی دریغ نہ کیا۔

یہاں یہ امر بھی اہمیت سے خالی نہیں کہ اگر ہم مسلم معاشروں میں مذہب کے مقابل مادیت وکمیونزم کے فروغ اور نفوذ کا جائزہ لیں تو یہ تلخ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ان معاشروں میں بھی مادہ پرستی، کمیونزم، نیشنلزم اور اسی طرح کے دیگر غلط نظریہ فکر کی ترویج کا باعث بھی ان ممالک کے آمر حکمران اور ایسے مذہبی عناصر بنے جن کا اندازِ فکر و عمل تعصب پر مبنی تھا اور جو اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کی خاطر آمروں اور ظالموں کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ بنے وگرنہ اگر اسلام کی عدالتِ

اجتماعی پر مبنی تعلیمات کو اسلامی معاشروں میں فروغ دیا جاتا اور اس ذریعہ سے عوام کے اجتماعی، سیاسی، معاشی، اقتصادی مسائل کو احسن طریقے پر حل کیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مسلم اقوام ان باطل افکار کی طرف مائل ہوتیں۔

زیرِ نظر کتاب حوزۂ علمیہ قم کے دانشمند معظم آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کی تصنیف ہے جس میں آپ نے تین ابواب میں کمیونزم کی خاص منطق "میٹیریلزم ڈایلیکٹک" "کمیونزم اور اخلاق" اور "کمیونزم اور مذہب" کے عناوین سے بحث کی ہے۔

گو کہ کتاب میں مختصراً ان مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان پر تنقید و تبصرہ کیا گیا ہے لیکن ہمیں امید ہے کہ کتاب کا مطالعہ کمیونزم اور مادیت سے متعلق قارئین کی ابتدائی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

ناشر

لینن کہتا ہے :

" ہمیں مذہب کے خلاف جنگ کرنی چاہیئے۔

یہ کام ——————

مادی نظریہ اور دوسرے لفظوں میں

مارکسی تعلیم کی ابجد ہے

طبقاتی جنگ کے ساتھ ساتھ مذہب کے خلاف

بھرپور جنگ بھی جاری رہنی چاہیئے

اور ——————

معاشرے کے اندر مذہب کی جڑوں کو اُکھاڑ پھینکنے کی

پوری کوشش ہونی چاہیئے۔"

کلیات لینن ایڈیشن ۱۹۵۲ء

جلد ۱۵ —— صفحہ ۳۷۴

(۱)

مقدمہ

از

سیّد ہادی خسروشاہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ کمیونزم کے بارے میں

کمیونزم دراصل سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم وستم سے پیدا ہونے والا کڑوا اپھل ہے۔

کمیونزم کی پیدائش اور نفوذ کا اصل سبب اور محرک انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال ہے۔ خواہ کوئی بھی انسانی معاشرہ ہو، اس کے خراب اقتصادی حالات اور حاکم وسرمایہ دار طبقے کے وہ مظالم جوان کی طرف سے محکوم طبقے، مزدوروں اور کسانوں پر کیے جاتے ہیں، بالآخر کمیونزم کی جڑ پکڑنے اور پھیلنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

سوشلسٹ ممالک اور کمیونسٹ انقلابات کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کمیونزم کی پیدائش اور اس کی ترقی کے اصل اسباب کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

جب ہم چین کی تاریخ کے اوراق الٹتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ "منچو" کی شہنشاہیت کا فساد ـــــ حاکم طبقے کی چوریاں اور خیانتیں ـــــ لوگوں کو فضول اور بے فائدہ باتوں میں الجھانا اور بنیادی اصلاحات سے گریز کرنا ـــــ یہ وہ چیزیں تھیں جو منچو حکومت کے سقوط کا سبب بنیں ۔ اور اس کی جگہ ایک جمہوری حکومت وجود میں آئی ۔

جمہوری حکومت کے دور میں بھی ، معاشرہ میں بنیادی تبدیلیاں لانے کے لیے اساسی نوعیت کے اقدامات کرنے کے بجائے نمائشی کام اور عوام فریبی کی راہ اختیار کی گئی ۔

حکومت کے اس جدید جمہوری نظام کے تحت بھی ـــــ
ـــــ قومی مفادات کے خلاف چوری اور خیانت کا سلسلہ جاری رہا ۔
بیرونی امداد اور عام ملکی مالیات میں بھی ـــــ
خرد بُرد کی جاتی رہی ـــــ
غیر ملکی بینک قومی رہنماؤں کے سرمائے سے بھر گئے ۔

اجتماعی فساد ـــــ اقتصادی مشکلات ـــــ عوام کی محرومیاں ، ظلم وستم کا دباؤ ـــــ منافع خوری اور استحصال کا طوفان ۔ یہ وہ خرابیاں تھیں جو کمیونزم کی پیدائش ، اس کی ترقی اور کامیابی کا سبب بن گئیں ۔

چین کی جمہوری حکومت کے سرمایہ داراوران کی جماعت "کومن ٹانگ" (Kuomintang) کے جنرلوں نے جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی ، جب کمیونزم کے حقیقی خطرے کو محسوس کیا تو انھوں نے نیزوں کے بل پر اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کی ، لیکن دوراندیش اور حقیقت بین لوگوں پر نتائج پوری طرح روشن ہو چکے تھے ۔

مغربی طاقتیں جنھوں نے اس نئی حکومت کی پوشیدہ رہنمائی اپنے ذمے رکھی تھی، وہ چین میں رونما ہونے والے حقائق کو نہیں دیکھنا چاہتی تھیں اور وہ اس ملک کے بارے میں اپنی استعماری سیاست میں کوئی تبدیلی لانے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ ان کی یہ روش کبھی بھی کمیونزم کی پیش قدمی کو نہیں روک سکتی تھی۔

اس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ چین کو کمیونزم کی طرف مائل کرنے کے لیے کمیونسٹ طاقتور ترین ذرائع ابلاغ کو استعمال کر رہے تھے۔ اور مغربی طاقتوں نے چین کے حالات کو سمجھنے کی بجائے اور عوام کے امور کو عوام کے ہاتھوں میں دینے کی بجائے اور اپنے استعماری نفوذ کو چین کے اندر ختم کرنے کی بجائے اور قومی جمہوری طاقتوں کی پشت پناہی کرنے کی بجائے احمقانہ سیاست کی راہ اختیار کی ——— اور ——— ڈالر اور اسلحہ کی طاقت پر انحصار کیا۔ جس کا لازمی نتیجہ ساٹھ کروڑ کی آبادی رکھنے والے ملک کا سقوط تھا۔

یہ روداد ہمارے ذہن کی گھڑی ہوئی نہیں ہے۔ چین کی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ اب ہم یہاں تاریخ کی صرف ایک جھلک دکھا رہے ہیں۔

چین میں کمیونزم

اس وقت کے امریکی وزیر خارجہ "ڈلس" کے "چیانگ کائی شیک" کے ساتھ جو مذاکرات ہوئے تھے۔ ان میں امریکی وزیر خارجہ نے سوال کیا تھا:

"دنیا کے اکثر سیاسی حلقوں کے خیال کے مطابق آپ کے زوال کا اصل سبب کومنٹانگ حکومت کا فساد رہا ہے۔"

چیانگ کائی شیک نے اس کا جواب کچھ اس طرح دیا تھا :

"۱۹۴۵ء کے بعد چین میں رونما ہونے والے انحطاط میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور یہ ٹھیک اس وقت سے ہوا جب سے کہ سرزمین چین میں امریکیوں کی مداخلت شروع ہوئی اور انھوں نے خصوصاً چین کے ان اندرونی معاملات میں مداخلت شروع کردی جنھیں وہ چین کے خاص ماحول اور سماجی حالات سے ناواقف ہونے کی بنا پر اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس طرح امریکیوں نے چینی معاشرہ اور اس کی بنیادوں کے لیے بہت زیادہ مشکلات پیدا کردیں اور اس حد تک پیدا کردیں کہ ہماری قوم آزاد دنیا سے مایوس اور بیزار ہوگئی۔ نتیجۃً کمیونسٹوں کی کامیابی کے لیے راہ ہموار ہوئی"[۱]

کومنتانگ کے رہنماؤں کے اخلاقی زوال کو بھی سقوطِ چین کا ایک بڑا سبب سمجھا جاتا ہے[۲]

خراب معاشی حالات کو بھی اہم عوامل میں شمار کیا گیا ہے۔ حکومت کی

۱؎ "زردہائے سرخ" "تاریخ چین نوشتہ" ہنری مارکانٹ " ترجمہ ڈاکٹر ہوشنگ منتھری صفحہ ۱۴ مطبوعہ اردی بہشت ۱۳۴۳ شمسی تہران۔

۲؎ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۵ سے۔

انتظامیہ ایک عظیم فساد سے دوچار ہوگئی۔ اس کے حکام اور کارکن پوری دیدہ دلیری کے ساتھ رشوتیں وصول کرنے لگے۔ ہر ادارے میں کچھ دلال لوگوں سے رشوت لینے کے لیے آزادانہ طور پر کام کرنے لگے[1]

کومنٹانگ کی جماعت ایک سیاسی تنظیم ہونے کی بجائے تجارتی ادارے میں تبدیل ہوگئی ———— کومنٹانگ کے رہنماؤں کا نقد سرمایہ امریکہ اور یورپ کے بینکوں میں مسلسل بڑھتا رہا۔ یہ اس دولت کا بڑا حصہ تھا جو امریکہ کے وسیع مالی امداد کے چند اداروں کے ذریعہ حکومت چین کو فراہم کیا گیا[2] لیکن چین کے عوام کو اس امداد سے کوئی فائدہ نہ پہنچا اور امریکی ڈالر چین سے نکل کر غیر ملکی بینکوں میں جمع ہونے چلے گئے[3]

امریکہ کے مجلّے ٹائم نے لکھا:

> "کومنٹانگ کے لیڈروں کا نقد سرمایہ جو امریکی بینکوں میں جمع تھا وہ پچھتر کروڑ ڈالر تک پہنچ گیا۔ یہ رقم اس لوٹ مار کا ایک حصہ ہے جو چین کے بدعنوان لوگوں نے اپنے ملک میں مچائی تھی۔"[4]

اس حکومت نے اپنے اس کردار کے حامل افراد اور ایسے ہمہ گیر فساد کے ساتھ کمیونسٹوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ کمیونسٹوں نے ماؤ کی قیادت

---

[1] کتاب "زرد ہائے سرخ" کا صفحہ ٢١٣

[2] اسی کتاب کا صفحہ ٢١٤

[3] اسی کتاب کا صفحہ ٢٨٧

[4] اسی کتاب کا صفحہ ٣٢١

میں پندرہ ماہ کے عرصے میں موسم گرما کی سخت گرمی اور موسم سرما کی مہلک سردی کو برداشت کرتے ہوئے دس ہزار کیلو میٹر کا راستہ پیدل طے کیا۔ ان کی اس "لانگ مارچ" کا مقصد کمیونزم کو فاتح بنانا تھا۔

کومنٹانگ کی جماعت نے جس جدید اسلحہ سے استفادہ کیا وہ عقیدہ و ایمان، بنیادی اصلاحات، اقتصادی ترقی اور عوام کی فلاح وبہبود کے ہتھیار نہیں تھے بلکہ ان کی سنگینیں اور طاقت اور دباؤ ان کا اسلحہ تھے۔

ملاحظہ فرمائیے:

چیانگ کائی شیک نے اپنی حکومت کی تشکیل کے چند ماہ بعد کمیونسٹ عناصر کے خلاف ایک بڑی مہم کا آغاز کیا۔ اس نے پہلے مرحلے میں ملک کے سرکاری اداروں کو ان سے پاک کیا اور پھر کمیونزم سے وابستہ تمام تنظیموں پر پابندی عائد کردی اور کمیونسٹوں کی ہر طرح کی سرگرمیوں کو غیر قانونی اور ملت چین کے مفادات کے خلاف قرار دے دیا۔

ٹانکن کی جمہوری حکومت کا دباؤ کمیونسٹوں پر اس قدر شدید ہو گیا کہ چیانگ کائی شیک کی حکومت کے ایک سال بعد کمیونسٹ منتشر ہو کر شمال مغربی صوبوں کی طرف چلے گئے اور کومنٹانگ ذرائع ابلاغ یہ دعویٰ کرنے لگے کہ سرزمین چین سے کمیونسٹوں کی پوری طرح بیخ کنی کردی گئی ہے۔ لیکن اچانک یہ خبر شائع ہوئی کہ کمیونسٹوں نے ہونان کے صوبے میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی ہے۔

غیر ملکی اخباروں نے اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ ھونان کے صوبے کا سربراہ اب ایک شخص "ماؤ زے تنگ" ہے

جو پہلے پیکنگ میں استاد تھا اور کئی کتب کا مصنف بھی، اس نے چینی کسانوں کی آزادی کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے اور اسے کسانوں کی حمایت حاصل ہے۔

چیانگ کائی شیک کے حکم سے ایک مسلح فوج کمیونسٹوں سے جنگ کے لیے روانہ کی گئی لیکن کمیونسٹوں کے دستوں نے اس کا محاصرہ کر کے اور اسے اپنے حملوں کا نشانہ بنا کر پوری طرح نیست و نابود کر دیا۔

۱۹۳۵ء تک چیانگ کائی شیک نے پانچ بار اپنے حریف کے مقابل صف آرائی کی لیکن وہ کمیونسٹوں کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کمیونسٹ قوتوں نے ماؤزی تنگ کی کمان میں صوبہ شن سی کے دارالحکومت ینان میں ایک مثالی سوشلسٹ معاشرہ تشکیل دیا۔[1]

کتاب " زرد ہائے سرخ " میں چین کے بارے میں آگے چل کر کچھ اس طرح لکھا گیا ہے:

افتصادی بحران کے شدید طوفان میں چیانگ کائی شیک نے پانچ ارب ڈالر کے خرچ سے دس لاکھ افراد کی ایک فوج تیار کی اور خانہ جنگی کے محاذوں پر اسے روانہ کیا۔

ایک ماہ بعد کومنٹانگ کی فوج کے آرمی اسٹاف کی طرف سے رسمی اعلامیہ جاری کیا گیا کہ چین کے مرکزی صوبے میں کمیونسٹوں کا مکمل صفایا کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ماؤ کی فوجوں نے بڑی برق رفتاری سے

---

[1] زرد ہائے سرخ صفحہ ۹۱، ۹۲

حملہ کر کے صوبہ شانٹونگ کے دارالحکومت 'سیان' پر قبضہ کر لیا اور دریائے زرد کو عبور کر کے، جو چین کی شاہ رگ سمجھی جاتی ہے آگے بڑھ گئیں[1]۔ اور اس کے ساتھ ہی منچوریا کا پورا علاقہ کمیونسٹوں کے قبضے میں آگیا۔ آخر کار چیانگ کائی شیک نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پیکنگ کو خیر باد کہہ دیا اور فارموسا کے جزیرے میں پناہ لی اس طرح ساٹھ کروڑ افراد کی چینی قوم کمیونسٹوں کے قبضے میں چلی گئی۔

دنیا کے دوسرے علاقوں میں کیا ہوا

مغرب کی اس ناقابل معافی سیاسی لغزش کی وجہ سے صرف چین ہی کمیونسٹوں کے قبضے میں نہیں چلا گیا بلکہ یورپ کا واحد اسلامی ملک البانیہ بھی مغرب کی اس سیاسی غلطی کا نشانہ بن کر کمیونزم کے چنگل میں پھنس گیا۔ مشرق وسطیٰ کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ عراق میں اجتماعی انتشار وہاں کمیونزم کے داخلے اور نفوذ کا سبب بنا — لیکن جنرل نوری سعید نے جو پندرہ بار وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہو چکا تھا فوج کے بل پر کمیونسٹوں کو کچل دیا اور یہ اعلان کیا کہ عراق کی سر زمین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کمیونسٹوں کا قلع قمع ہو چکا ہے لیکن جب خود ان کی حکومت کا زوال ہوا تو معلوم ہوا کہ کمیونزم کی سرگرمیوں نے بہت زیادہ ہمہ گیری کے ساتھ اپنا دائرہ وسیع کر لیا تھا یہاں تک کہ عبدالکریم قاسم کی حکومت کے دور میں کمیونسٹوں کو مظاہرے

---

[1] زرد ھائے سرخ صفحہ ۳۱۵

کرنے اور جلسے منعقد کرنے کا موقع مل گیا اور انھوں نے مارکسزم اور لینینزم کے اصولوں کی شرح وتبلیغ کے لیے ہزاروں نشریے، کتابیں اور رسالے آزادانہ طور پر شائع کیے اور عراق کی نئی نسل کے درمیان انھیں پھیلایا۔

یہ صرف چین البانیہ اور عراق ہی نہیں تھے جو بین الاقوامی کمیونزم کی یورش کا نشانہ بنے بلکہ آپ دنیا میں جہاں بھی جائیں گے آپ کو آسمان کا یہی رنگ نظر آئے گا۔

ملاحظہ فرمائیے:

بیری گلڈواٹر۔ یہودی ڈیموکریٹک سینیٹر نے جو امریکہ کے انتہا پسندوں کا دست راست تھا اور جسے اس کی پارٹی نے اپنے کنونشن میں کثرت رائے سے امریکہ کے صدارتی انتخابات کے لیے نامزد کیا تھا۔ اپنی کتاب "ہم کیوں کامیاب نہ ہوں" میں لکھا ہے:

> اگرچہ سات سال قبل "ہند چینی" مشکلات سے دوچار تھا اس کے باوجود وہ مغرب کا طرفدار رہا لیکن آج شمالی ویت نام نے کمیونزم سے علانیہ وابستگی اختیار کرلی ہے اور غیر جانبدار لاؤس کا جھکاؤ کمیونزم کی طرف ہے۔ غیر جانبدار کمبوڈیا[1] بھی کمیونزم کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے آمادہ ہے۔"
>
> " انڈونیشیا جمہوری حکومت کی تشکیل کے آغاز میں مغرب کا طرفدار تھا لیکن آج سوئیکارنو کی

---

[1] کمبوڈیا کا نیا نام اب کمپوچیا ہے۔

حکومت کا ہاتھ کمیونسٹوں کے ہاتھ میں ہے اور
وہ روسی سیاست کی شدید طرفدار ہے۔

سیلون مغرب کا طرفدار تھا۔ پھر اس نے غیر جانبداری
کا اعلان کر دیا۔ مغرب کے طرفدار ملکوں نے ،
غیر جانبداری کی راہ اختیار کی اور وہ علانیہ مغرب
کے خلاف سرگرمیاں دکھانے لگے۔ مشرق وسطیٰ
میں کچھ عرصہ قبل عراق ، مصر اور شام مغرب کے
کیمپ میں تھے لیکن آج ناصر کی حکومت اور
عراق کی جمہوری حکومت نے بڑی سختی کے
ساتھ مغرب کے خلاف مورچہ جما لیا ہے۔ نیز
وہ اپنی فوجی طاقت کو بڑھانے کے لیے روسی
وسائل اور روسی ماہرین سے استفادہ کر رہے ہیں
اور یہ ممالک اکثر سیاسی معاملات میں ماسکو
کی دی ہوئی لائن پر چلتے ہیں[1] "

" چند سال قبل سارا افریقیہ مغرب کا طرفدار تھا اور
آزاد دنیا اور کمیونزم کے درمیان عالمی کشمکش میں افریقیہ

---

[1] مصر، شام اور عراق میں سے صرف شام اب روس کا طرفدار رہ گیا ہے بقیہ مصر و عراق
امریکہ کے حاشیہ بردار بن چکے ہیں۔

کی وسیع سرزمین مغرب کا مضبوط اڈہ تھی اور
پوری طرح اس کے زیر اثر تھی۔ لیکن آج افریقہ
نہایت تیزی کے ساتھ اور بڑی شدّت سے
مغرب سے دور ہوتا جا رہا ہے اور کمیونزم کے
کیمپ میں اپنی جگہ بنا رہا ہے۔

جنوبی امریکہ : "نبراسکا" کی ریاست ہمیشہ
جمہوریت پسندوں کی حامی رہی ہے اور وہ کل
تک مغرب کی طرفدار سمجھی جاتی تھی لیکن آج اسے
اچک لینے کے لیے ہر جانب سے ہاتھ بڑھ رہے
ہیں ——— !

کیوبا میں ہمارے ساحل سے نوّے میل کے فاصلے
پر روس کا ایک مضبوط دفاعی اڈہ بن چکا ہے۔
اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ مقابلہ
ہماری طاقت سے باہر ہے۔ لاطینی امریکہ کے تمام
ممالک میں کاسٹرو کی طرفداری کی لہر اس قدر
پھیل چکی ہے کہ حکومتوں کو بھی اس بات کی جرأت
نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دلی میلان کے باوجود شمالی
امریکہ کے بارے میں دوستانہ جذبات کا اظہار
کریں۔ صرف جمہوریہ ڈومینکن اس قاعدے سے

مستثنیٰ تھی آخر اس پر بھی ہم نے حال ہی میں
فاتحہ پڑھ دی - ۱۹۴۵ء کی بہ نسبت روس کا نفوذ
خطرناک حد تک بہت زیادہ بڑھ چکا ہے اور
اسی نسبت سے مغرب کا اثر کم ہوتا گیا ہے [۱]

گلڈ واٹر اپنی رجعت پسندانہ طرز فکر کے ساتھ، ان ممالک کو جو ایک مستقل قومی پالیسی پر چلتے ہیں کمیونزم کے کیمپ سے وابستہ ممالک کے طور پر پیش کرتا ہے اور درپردہ ان ممالک کے بارے میں خواہش رکھتا ہے کہ وہ آزادی و استقلال سے قبل کی حالت پر لوٹ جائیں اور دوسری جانب بغیر اس کے کہ افریقہ، لاطینی امریکہ، مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا کے کمیونزم کی جانب میلان کے اسباب معلوم کرے، کامیابی کے لیے جنوبی ویت نام کے جنگلوں کو ایٹم بم کا نشانہ بنانے کی تجویز پیش کرتا ہے [۲]

---

[۱] جریدہ اطلاعات مورخہ ۱۷ رنبیر ۴۳ م ۲۷ صفر ۸۴ بدھ -
[۲] گلڈ واٹر اپنی کتاب "ہم کامیاب کیوں نہ ہوں" میں لکھتا ہے "کمیونزم کو ایٹم بم یا میزائل سے ختم نہیں کیا جا سکتا - کمیونزم نے اپنی کامیابی کے لیے حربے سے کام لیا ہے - ہم کو کمیونزم کی طاقت کو توڑنے کے لیے ویسے ہی حربے استعمال کرنے ہوں گے لیکن زیادہ موثر اور زیادہ کامیاب حربے"۔
لیکن اس کتاب کے کچھ دن کے بعد اس نے جنوب مشرقی ایشیا میں کمیونزم پر فتح پانے کے لیے اعلان کیا کہ " ویت نام کے جنگلوں کو ایٹم بم سے تباہ کر دینا چاہیے - یہ ہے دوغلی سوچ -

حالانکہ اگر کوئی شخص بہتر انداز میں اور اصولی طور پر فکر کرے تو وہ ایٹم بم گرانے کی تجویز پیش کرنے کی بجائے یہ تجویز پیش کرے گا کہ اجتماعی اقتصادی اور سیاسی علوم کے وسیع الخیال ماہرین کو اس صورت حال کے اصل اسباب معلوم کرنے کے لیے مقرر کیا جائے تاکہ وہ بتائیں کہ جو ممالک کل مغرب کے دوست تھے وہ آج اس کے سخت ترین دشمن کیوں بن گئے ہیں؟ اور وہ جلد یا بدیر کسی روز اپنی باطنی دشمنی کو ظاہر کرنے کے لیے کیوں تلے بیٹھے ہیں؟

کیوبا، ویت نام، کانگو اور عراق جیسے ممالک کا استحصال خواہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں ایک ایسی جنگ کے آغاز کا سبب بنے گا جو ان ملکوں کے باخبر اور محنت کش طبقوں کی طرف سے شروع ہوگی اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ محروم اور غریب اقوام کا بالواسطہ یا بلا واسطہ استحصال اور ان پر استعمارانہ تسلّط سوائے دشمنی، دوری اور جدائی کے کوئی نتیجہ نہیں دے سکے گا۔

گلڈواٹر، ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے غیر جانبدارانہ رویے سے سخت ناراض نظر آتے ہیں اور ان کے نزدیک فتح مندی کا مفہوم یہ ہے کہ آزاد دنیا کے تمام ممالک مغرب کے دُم چھلّہ بن جائیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گلڈ واٹر کی ذہنیت رکھنے والے لوگ ہماری قوموں سے تعلق رکھنے والے مسائل کو بخوبی نہیں سمجھ سکے ہیں۔

لیکن کینیڈی جو ایشیا اور افریقہ سے تعلق رکھنے والے مسائل سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اپنے اسی طرز فکر کی وجہ سے قتل کیا گیا۔

وہ اس بارے میں کہتا ہے:

"میرے نقطۂ نظر کے مطابق ان ممالک کے لیے

غیر جانبدارانہ رویہ سے اجتناب کرنا ممکن نہیں ہے،
اس سلسلے میں ایک طرح کا شدید میلان پایا جاتا ہے
اور آئندہ برسوں میں افریقہ اور لاطینی امریکہ
میں شاید اس میلان کو اور زیادہ قوت حاصل ہو
...... آزادی و استقلال کے ساتھ ان کا عشق
ممکن ہے یہ صورت اختیار کرلے کہ وہ روس کے
گرد گھومنے والے سیارے بن کر رہنا نہ چاہیں اور
ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے بھی قربت حاصل
نہ کریں۔ ہمیں ان کے اس رویے سے ہم آہنگ
رہنا چاہیے......
ہمیں ان مسائل کے حل میں مدد دینی چاہیے جن سے
یہ ممالک دوچار ہیں ہمیں اس مقصد کے لیے
اپنے وسائل کو کام میں لانا چاہیے اور یہ خواہش
نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ ہمارا دم چھلہ بن جائیں۔
ہم انھیں احترام سے دیکھیں اور انھیں اپنا
دوست بنائیں[1]

جو لوگ حالات کی حقیقت کو سمجھنے کی بجائے شمشیر حتیٰ کہ ایٹم بم کا سہارا لینا چاہتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اب آتشیں اسلحہ ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کی آزادی کی قومی تحریکوں کو کچلنے کے لیے موثر ثابت نہیں ہو سکتے۔

---

[1] صلح کی حکمت عملی۔ از جان ایف کینیڈی۔ ترجمہ عبداللہ گلہ داری۔ طبع سوم صفحہ ۲۷۰

اگر مغرب محروم و مظلوم اقوام کے جائز مطالبات سے خود کو ہم آہنگ نہیں کرنا چاہتا یا نہیں کر سکتا تو کیا ہوا بین الاقوامی کمیونزم تو ان کا حامی و مددگار بنا ہوا ہے اور پھر وہ آزادی کی قومی تحریکوں کی مدد کرتا ہے، انھیں اسلحہ فراہم کرتا ہے اور بین الاقوامی اجتماعات میں ان کے نظریات کی حمایت کرتا ہے اور عملاً وہ انھیں اپنی جانب کھینچ رہا ہے۔

اگر لومبا کو مغربی استعمار کے قابل نفرت ایجنٹ بڑی بزدلی کے ساتھ قتل کرتے ہیں اور "شومبے" کو کانگو کا وزیر اعظم بنا دیتے ہیں تو اس کے بالکل برعکس روس ماسکو میں اپنی ایک یونیورسٹی کو "پیٹرس لومبا" کے نام سے موسوم کرتا ہے اور پھر اس یونیورسٹی میں افریقی طالب علموں کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتا ہے اور اس کے نائب کامریڈ "اینٹائن گیزنگا" کی جو مغربی استعمار کے زندان میں زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ ایک جائز مقام رکھنے والی قومی شخصیت کی حیثیت سے حمایت کرتا ہے اس طرح روس افریقہ کو اپنا ہمقدم بنانے میں مصروف ہے۔

لیکن مغرب اور کیپٹلزم کا فوجی کیمپ افریقہ میں اپنی اجارہ داریوں، تیل کی کمپنیوں اور اپنے لیٹرے بنکوں کے حصہ داروں کے منافع کی حفاظت کے لیے نہ صرف یہ کہ قومی تحریکوں کی پشت پناہی نہیں کرتا بلکہ انھیں کچلنے کے لیے آتشیں اسلحہ فراہم کرتا رہا۔ اس کے باوجود اب وہ اس بات کی توقع کرتا ہے کہ افریقہ کی مظلوم و محروم قومیں مغرب کی حامی اور اس کی حلیف بن کر رہیں۔ اس سلسلے میں الجزائر کی تحریک آزادی ایک بہترین مثال ہے۔

الجزائر آزادی و استقلال کا طلب گار تھا۔ لیکن مغرب نے فرانس کی قیادت میں اس علاقے کے مسلمانوں کو سات سال تک اپنی بندوقوں اور سنگینوں کے نیچے رکھنے کی کوشش کی۔ فرانس کے مغربی دوستوں اور حلیفوں نے اس کی اس وحشیانہ کارروائی

میں جو دس لاکھ افراد کے قتل پر منتج ہوئی اس کی امداد و حمایت جاری رکھی۔ اس کے باوجود اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ الجزائر بدستور مغرب کا وفادار رہے !

لیکن کینیڈی نے سات سال پہلے یہ پوچھا تھا کہ :

الجزائری کامیابی کے بعد کس کی جانب جائیں گے ——— ؟

——— کیا مغرب کی جانب ،

کہ جس نے جان بوجھ کر ان کی آزادی کے مطالبے کو کوئی اہمیت نہیں دی ——— !

——— کیا امریکیوں کی طرف

کہ جنھوں نے الجزائر کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے اسلحہ فراہم کیا ——— !؟

یا ماسکو کی طرف ——— قاہرہ کی طرف ———

یا پیکنگ کی طرف ——— یعنی نیشنلزم اور آزادی کے علمبرداروں کی طرف رخ کریں گے [۱]

مغرب نے اس مسئلے کو اس دن سمجھنے کی کوشش نہ کی اور الجزائر کو خواہ مخواہ اس راہ کی طرف دھکیل دیا کہ جس سے آج مغرب ڈر رہا ہے۔

لیکن اب مغرب سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ مغرب افریقہ و ایشیا اور ان علاقوں کی آزادی کی حقیقی تحریکوں کے ساتھ کون سی روش اپنائے ہوئے ہے؟

کیا چین ، البانیہ ، عراق ، جنوبی ویت نام ، لاؤس اور دوسرے علاقوں کا انجام مغرب کے سیاستدانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے

---

[۱] صلح کی حکمت عملی طبع سوم صفحہ ۱۴۹ ، ۱۵۰

کافی نہیں ہے ـــــ؟ بظاہر اس سوال کا جواب نفی میں ہے اور کچھ نئی قربانیوں کا انتظار ہے۔

کمیونزم کے ساتھ اصولی جنگ

معاشرہ کے اصل ڈھانچے میں بنیادی تبدیلی کے بغیر کمیونزم کا راستہ نہیں روکا جاسکتا۔ یہ بات صرف کمیونزم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام فکری انحرافات پر صادق آتی ہے۔

ہونا یہ چاہیے کہ ـــــ،

ان تمام اجتماعی، اقتصادی ـــ اور ـــ نظریاتی منفی عوامل کا پتہ لگایا جائے کہ جو کمیونزم کے ظہور کا سبب بنے ـــــــــ

اور پھر ان عوامل کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

وہ لوگ جو سنگینوں کے بل پر کمیونزم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے قائل ہیں سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہ بات ایسی ہی ہے جیسے جسم کی سطح پر نکل آنے والے پھوڑوں کا علاج جو دراصل جگر کی خرابی کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں، گرم سلاخوں سے داغ کر کیا جائے۔

کلّی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کمیونزم اور ہر طرح کے فکری و اجتماعی انحراف کے خلاف جنگ کے لیے کوئی بھی معاشرہ مندرجہ ذیل دو راہوں میں سے کوئی ایک راہ اختیار کرسکتا ہے۔

(۱) ـــــ اقتصادی نظام میں بنیادی تبدیلی البتہ یہ تبدیلی خود معاشرہ کے اجتماعی نظام میں ایک بڑی تبدیلی کی متقاضی ہے۔

(۲) ——— ایک فکری اور نظریاتی جنگ کا آغاز اور اسلام کے ہمہ گیر مکتب فکر کے اصولوں کی اشاعت، فلسفہ و علم، معاشرے و اقتصاد کے تمام شعبوں میں اسلام کے طرزِ فکر کی تبلیغ، مزید یہ کہ حقیقی اجتماعی عدل کو قائم کیے بغیر عوام کی اقتصادی مشکلات اور محرومیوں کا ازالہ کیے بغیر اور ظلم و فساد کی بساط الٹے بغیر اور موجودہ فکری خلاء کو ایک طاقتور نظریاتی عنصر کے ذریعے دور کیے بغیر کسی بھی معاشرہ میں کیمونزم پر فتح مندی حاصل نہیں کی جاسکتی ان شرائط کو پورا کیے بغیر اس راہ میں کی جانے والی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوں گی۔ اس صورتِ حال کا زندہ ثبوت جنوب مشرقی ایشیا اور جنوبی ویت نام کی صورت حال ہے۔

———— . ————

اسلامی فکر کی مبادیات اور اصولوں کے نشر و اشاعت کی بہترین اور موثر ترین صورت ایسی کتابوں اور رسالوں کی اشاعت و طباعت ہے جو عام فہم ہوں لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے رسائل و جرائد کی تعداد کو ایران میں (اور دوسرے مسلم ممالک میں) انگلیوں پر گِنا جا سکتا ہے۔

میں توقع کرتا ہوں کہ علوم اسلامی کے دانشور خطرے کی اہمیت کو محسوس کریں گے اور اس راہ میں موثر قدم اٹھائیں گے۔

محترم دانشور، استاد ناصر مکارم شیرازی جو قم کے علمی مرکز کی قابل فخر شخصیتوں میں سے ایک ہیں نے اپنی کتاب "فیلسوف نماہا" شائع کر کے (اب تک ۱۱ بار شائع ہو چکی ہے)

اس راہ میں پہلا قدم اٹھایا ہے۔ پھر انھوں نے قم ہی میں جمعہ کی راتوں کو عقائد و مذاہب کی تحقیق کے لیے درس و بحث کی مجلسوں کا آغاز کر کے دوسرا قدم اٹھایا۔ ان مجالس کے بڑے اچھے نتائج برآمد ہوئے جن میں دو اہم کتابوں کی اشاعت شامل ہے۔

ایک "آفریدگار جہاں" اور دوسری "رہبران بزرگ و مسئولیتہای بزرگتر"

ان میں سے ایک خدا کے وجود کے بارے میں ہے اور دوسری مسئلہ "نبوت" کے بارے میں۔ دونوں کتابیں کئی بار شائع ہو چکی ہیں۔

اس وقت آپ جس بحث کا مطالعہ فرما رہے ہیں اسے عقائد و مذاہب کی بحثوں کا مقدمہ کہا جا سکتا ہے۔ پہلی بار ۱۳۸۰ھ (۱۳۳۹ش) میں ایک سائیکلو اسٹائل رسالے کی صورت میں شائع ہوئی تھی اور مذاکرہ میں شریک ہونے والوں کے درمیان اور قم کے علمی مرکز میں زیر تعلیم طلبہ میں تقسیم کی گئی تھی اور اب دوسری بار اس کی طباعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

البتہ یہ بحث ایک فلسفیانہ اور اجتماعی بحث ہے اور حاکم طبقے کے سیاسی نظریات کے ساتھ اس کی ذرا بھی مشابہت نہیں ہے۔ خود استاد مکارم نے طبع اوّل کے مقدمے میں لکھا ہے:

> "اس بات کے یاد دلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ عموماً ہماری بحثیں علمی پہلو کی حامل ہوتی ہیں۔ مثلاً کمیونزم کے بارے میں ہماری بحث آج کی سیاسی اور پروپیگنڈا کی خاطر کی جانے والی بحثوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ ہم نے کمیونزم کے اصولوں پر جو تنقید کی ہے اس کا مقصد علمی اور فلسفیانہ حقائق کو واضح کرنا ہے

اور یہ بات ہرگز اس چیز کی دلیل نہیں ہے کہ
ہم کیپٹلزم اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی
ہیں کیونکہ کیپٹلزم کے اصول بھی ہمارے مکتب
فکر کے نقطۂ نظر سے بہت زیادہ نقائص کے حامل
ہیں۔ مناسب موقع پر انھیں زیر بحث لایا جائے گا۔"

ہمیں توقع ہے کہ اس رسالے کی اشاعت ان لوگوں کے لیے بہت مفید اور
مددگار ثابت ہوگی جو میٹیریلزم اور کمیونزم کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں
رکھتے ——!

سید ہادی خسروشاہی

ربیع الاوّل ۱۳۸۴ھ

مختلف ممالک میں مذہبی رحجانات کے پیشِ نظر کمیونسٹ

"مذہب کیخلاف جنگ میں تین مختلف رویوں کو اختیار کرتے ھیں :

(۱) ۔ سرد جنگ : اس رویہ کے تحت کمیونسٹ، مذہب کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کرتے ہیں ۔علانیہ عقائد و شعائر اسلامی پر حملہ کرتے ہیں اور دینی مقدسات کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں ۔ مختلف دینی مفاہیم کی غلط تعبیرات پیش کر کے ان کے حقیقی مفہوم میں شک کو راہ دیتے ہیں ۔ جیسے جبر و قدر جیسے مسائل ۔

(۲) ۔ غیر مستقیم جنگ : مذہب کی بیخ کنی اور اس میں کج روی کو داخل کرنے کے لیے کمیونسٹ ، مذہب کا لبادہ اوڑھ کر مسلم معاشروں میں نفوذ پیدا کرتے ہیں اور اپنے الفاظ میں " ترقی پسند اسلام " کی ترویج و تبلیغ کرتے ہیں ۔ اس ذریعہ سے یہ لوگ اسلام کی حقیقی روح اور واقعی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں ۔ نیز علمائے اسلام اور ایسے افراد کو جو ان کی اس روش میں مزاحم ہوتے ہیں " رجعت پسند " اور " جاہل ملاّ " کہہ کر ان کو معاشرے سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

(۳) ۔ گرم جنگ : معاشرے میں کمیونزم کی جڑوں کو مضبوط کر لینے کے بعد کمیونسٹ، مذہب کے خلاف گرم جنگ کا آغاز کرتے ہیں ۔

اس جنگ میں علمائے اسلام ـــــ اور ـــــ دیندار مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے مساجد کو تاراج اور دینی مراکز کو ویران کرتے ہیں ۔

۲

میٹیریلزم ڈایلیکٹک

ڈایلیکٹک کی منطق

فلسفہ، معاشرے اور تاریخ پر بحث و مطالعہ کے دوران کمیونسٹ اپنی ایک خاص منطق ڈایلیکٹک (Dialectic) پر بڑا انحصار کرتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ موجوداتِ عالم، اجتماعی مسائل اور تاریخی مباحث کا اسی طریقے سے مطالعہ کر کے غلطیوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ ان مسائل پر غور و بحث کے لیے اسی منطقی طریقے کو اپنانا چاہیے۔ نیز ان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے مذکورہ بالا مسائل پر غور و بحث کرتے ہیں بہت زیادہ اشتباہات اور غلطیوں سے دوچار ہوتے ہیں۔

مختصراً ان کے نقطہ نظر کے مطابق ڈایلیکٹک ایک صحیح طریقہ ہے اور یہ انسانی فکر کو ترقی دیتا ہے اور ہمیں علمی، اجتماعی، اقتصادی اور تاریخی مسائل کے بارے

میں ہر طرح کی غلطی سے دور رکھتا ہے۔ اس لیے ہر مسئلے کے بارے میں غور و بحث کی بنیاد اسی طریقے پر رکھی جانی چاہیے۔ چنانچہ کمیونسٹوں کے نزدیک فلسفہ، معاشرہ سیاست اور اقتصاد سے متعلق مسائل کو سمجھنے کے لیے اس منطقی طریقے کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ کمیونسٹ ڈایلیکٹک کی منطق کو کس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ اب ہم اس کی کچھ تشریح کریں گے اور یہ معلوم کریں گے کہ مسائل کے مطالعہ کا یہ طریقہ جسے ترقی پسندانہ اور صحیح طرز فکر کا حامل قرار دیا جا رہا ہے کیا ہے اور کیسا ہے ـــ؟ ہم یہاں اس کے اصولوں پر تفصیلاً بحث کریں گے۔

ڈایلیکٹک کی منطق کی شرح سے پہلے اس نکتہ کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ "عام لوگوں کی سوچ کے برخلاف کمیونسٹ اس منطق کے موجد نہیں ہیں" نہ ہی وہ اس کے مدعی ہیں۔

جارج پولیٹزر[1] اور دوسرے تمام دانشوروں کی طرح کمیونسٹوں نے اعتراف کیا ہے کہ مارکس اور انجلس نے ڈایلیکٹک کی منطق کو جرمنی کے مشہور فلسفی ہیگل (۱۷۷۰-۱۸۳۱) سے لیا ہے۔ بلکہ وہ اس بات کے ماننے والے ہیں کہ سب سے پہلے ڈایلیکٹک کا لفظ ہراکلیٹ (ہراقلیطوس) یونان کے مشہور فلسفی (پانچویں صدی قبل مسیح کے اوائل) نے اپنے اقوال میں استعمال کیا تھا۔ اسی لیے اسے ڈایلیکٹک کا بانی کہا جاتا ہے۔

کمیونسٹ کہتے ہیں کہ ہیگل کے کام کی خرابی یہ تھی کہ اس نے ڈایلیکٹک کی منطق کو آئیڈیلزم (یعنی فکر کی اصل بنیاد مذہب ہے) کا ضمیمہ بنا دیا تھا کیونکہ وہ

---

[1] مارکسزم اور لینن ازم کے نظریات کا مشہور مفسر اور پیرس کے ورکر کالج کا استاد۔

روح کے وجود اور مادہ پر رُوح کی فوقیت کا قائل تھا۔ البتہ مارکس اور انجلس نے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ انھوں نے آئیڈیلزم والے حصّے کو حذف کر دیا اور اس کی جگہ میٹیریلزم (یعنی مادہ اصل بنیاد ہے) کو رکھ دیا۔ لہٰذا ان کے فلسفہ نے "ڈایلیکٹک میٹریلزم" (یعنی مادیت، ڈایلیکٹک کی منطق کی بنیاد پر) کی صورت اختیار کر لی۔

جارج پولیسٹر نے انجلس کو نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے :

"ہیگل کی ڈایلیکٹک سر کے بل کھڑی ہوئی تھی
اسے مجبوراً پیروں پر کھڑا کر کے سیدھا
کرنا پڑا۔"

مقصد یہ ہے کہ چونکہ ہیگل روح کی اساسی حیثیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور مادہ کو رُوح کا تابع سمجھتا تھا اور یہ بات اس بنیادی اصول کے خلاف تھی جس کے مادہ پرست قائل ہیں (وہ روح کو مادہ کے آثار و خواص میں شمار کرتے ہیں) اس لیے ان کے نزدیک ہیگل کی ڈایلیکٹک سر کے بل الٹی کھڑی تھی اور اب انھوں نے اسے سیدھا کیا ہے۔

ڈایلیکٹک کے معنیٰ

لغت کے اعتبار سے ڈایلیکٹک کا لفظ "ڈیالکو" سے لیا گیا ہے۔ یونانی زبان میں جس کے معنیٰ فن مباحثہ و مناظرہ وجدل کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بعض مترجموں نے ڈایلیکٹک میٹریلزم کا ترجمہ "جدلیاتی مادہ پرستی" کیا ہے لیکن اس کے لغوی معنیٰ اور اصطلاحی معنیٰ میں آپ کو بہت کم مناسبت اور شباہت نظر آئے گی۔ اس لیے ڈایلیکٹک میٹریلزم کی اس تعبیر کو ایک

غیر صحیح اور غلط تعبیر کہا جا سکتا ہے۔

اگر ہم کمیونسٹوں کے نقطۂ نظر سے ڈایلیکٹک کے اصطلاحی معنیٰ بیان کریں تو انھیں ایک جملے میں خلاصے کے طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

"ڈایلیکٹک کی منطق سے مراد ایک ایسا طرزِ فکر ہے جو موجودات کے عمومی تغیّر و تبدل اور تمام چیزوں کے ایک دوسرے سے ارتباط اور تمام چیزوں کی تاثیر اور تمام حقائق اور مطالب کے ایک دوسرے کے ساتھ نسبت رکھنے پر تعمیر ہو۔"

اب اس کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے:-

ڈایلیکٹک کا اصول

اگرچہ مارکس کے پیرو ڈایلیکٹک کے اصول کے بیان میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات رکھتے ہیں لیکن ان سب کی تشریحات کا اصول ایک ہی ہے بہرکیف وہ ڈایلیکٹک کی عمارت کو کل چار اصولوں پر کھڑا کرتے ہیں۔ جنھیں وہ ڈایلیکٹک کے قوانین یا اصول کا نام دیتے ہیں:

(۱) ——— تغیر کا اصول

(۲) ——— باہمی تاثیر کا اصول

(۳) ——— تضادات کے جمع ہونے کا اصول

(۴) ——— دفعتاً انقلاب کا اصول

ان قوانین کے بارے میں تفصیلی رسالے لکھے گئے ہیں، ہم ان کا خلاصہ یہاں پیش کریں گے اور پھر ان کے کمزور نکات کو واضح کریں گے۔

پہلا قانون

تغیّر کا اصول

یہ اصول ڈایلیکٹک کا اہم ترین اصول سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں اسے ڈایلیکٹک کی روح کہا جا سکتا ہے۔ کبھی ڈایلیکٹک کا اطلاق تنہا اسی اصول پر کیا جاتا ہے۔ یہ اصول ہمیں بتاتا ہے:

الف ـــــ دنیا کے تمام واقعات اور موجودات کسی استثنیٰ کے بغیر تغیّر و تبدل کا شکار ہیں۔ کوئی چیز مستقل ابدی اور یکساں نہیں ہے دنیا میں اگر کوئی چیز مستقل اور ابدی ہے تو وہ تغیر و تبدل ہے۔ سب چیزیں ہونے کی حالت میں ہیں، رہنے کی حالت میں نہیں ہیں ـــــ کسی چیز کی انتہا نہیں ہے اور ہمیشہ کسی بھی چیز کی انتہا دراصل کسی دوسری چیز کا آغاز ہے۔

ہراکلیٹ (ھراقلیطوس) دنیا کو ایک بہتی ہوئی ندی سے تشبیہ دیتا ہے جو ہمیشہ رواں دواں ہے اور اس کے نزدیک موجودہ لمحہ آنے والے دوسرے لمحے کے مانند نہیں ہے اور وہ ثبات و بقا کا منکر ہے[1]

انجلس کہتا ہے:

"ڈایلیکٹک کسی بھی چیز کو مستقل، مطلق اور مقدس

---

[1] سیر حکمت در اروپا — از محمد علی فروغی صفحہ ۴

نہیں سمجھتی ۔"

جارج پولیسٹر اپنی کتاب "اصول مقدماتی فلسفہ" (فلسفہ کے ابتدائی اصول) میں اس بارے میں لکھتا ہے :

"کوئی چیز اپنی جگہ پر اور کوئی چیز اپنی صورت پر باقی نہیں رہے گی ۔ ڈایلیکٹک سے مراد تغیر اور حرکت ہے ۔"

ب : ——— ہر چیز اپنا ایک مستقبل اور ماضی رکھتی ہے جو اس کی موجودہ حالت سے مختلف ہوتا ہے ۔ اس لیے کسی چیز کو پہچاننے کے لیے اس کی تاریخ پر نظر ڈالنا ضروری ہے ۔ صرف معاشرہ ہی نہیں بلکہ ایک سیب اور ایک مرغی کا انڈا بھی اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے جو باہم مربوط تغیرات کے ایک سلسلے سے وابستہ ہے ۔ لہٰذا کسی موضوع کی حقیقت کے ادراک کے لیے اس کا مطالعہ اس کو حرکت اور تغیّر کی حالت میں تصور کرتے ہوئے ہونا چاہیئے نہ کہ اس کے ماضی اور مستقبل کی حالتِ سکون واستقلال سے ۔

ج : ——— موجودات کی حرکات اور ان کا تغیر سب کا رخ تکمیل کی جانب ہے ۔ یعنی یہ عمومی حرکت تمام موجودات کو کمال کی طرف لے جارہی ہے ۔

د : ——— ہر حرکت اور تغیر کو ڈایلیکٹکی حرکت نہیں سمجھا جاسکتا ۔ ڈایلیکٹک حرکت سے مراد ایسی حرکت ہے جو اندرونی عوامل کی بنیاد پر ہوئی ہو ۔ مثلاً ایک میوہ جب پکتا ہے تو وہ اپنی تکمیل کی جانب حرکت کرتا ہے اور اس کی یہ حرکت اندرونی عوامل کی بنا پر اور اس کے

اطراف موجود طبیعی ماحول کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس لیے اُسے ڈایلیکٹکی حرکت کہتے ہیں جسے "آٹو ڈائنامک" یعنی (خود کار تغیر) کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

لیکن اگر اسی میوے کو پیر کے نیچے رکھ کر کچل دیا جائے تو یہ حرکت ڈایلیکٹکی حرکت نہیں ہوگی۔ اسے میکانیکی حرکت کہا جائے گا جو مصنوعی ہے اور بغیر طبیعی عوامل کے ظاہر ہوئی ہے۔

۵: ـــــــ تکمیل سے مراد کیفیتی اور کمیتی دونوں طرح کی تکمیل ہے یعنی موجودات میں سے کوئی شے عملِ تغیر کے تحت کیفیات کے اعتبار سے کامل تر صورت میں ظاہر ہوتی ہے جیسے ایک پھل پک جاتا ہے اور کبھی تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک بیج کے ذریعہ ہم ایک پورا درخت حاصل کر لیتے ہیں۔ اگرچہ کہ پہلے میوے اور اس درخت کے میوے کے درمیان مزے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں اور کیفیتاً ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا لیکن کمیت کی رُو سے ہمیں یہ فائدہ پہنچا کہ اسی میوے کی ہم نے کثیر تعداد حاصل کر لی۔ اس لیے پہلی تکمیل کو ہم تکمیل کیفیتی کا نام دیں گے اور دوسری تکمیل کو تکمیلِ کمیتی کہیں گے۔

تکمیل کمیتی کی مثال اس پیچ در پیچ لکیر کی سی ہے جو سانپ کے چلنے سے زمین پر ظاہر ہوتی ہے۔ یہ لکیر بار بار اپنے نقطۂ آغاز کے مقابل آتی رہتی ہے لیکن یہ آگے بڑھتی رہتی ہے اور اس کی سطح بلند ہوتی رہتی ہے۔

ـــــــ ۰ ـــــــ

دوسرا قانون

باہمی تاثیر کا اصول

اس اصول کے مطابق دنیا میں تمام چیزیں دوسری تمام چیزوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ دنیا مختلف نوع کے ارتقائی اعمال کا مجموعہ ہے اور یہ اعمال ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

مثلاً ایک سیب صرف ایک درخت کا حاصل نہیں ہے بلکہ وہ فطرت کے پورے کارخانے کی مصنوعات کا حصہ ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں کوئی "تغیر" ہوتا ہے تو وہ دنیا کے تمام حوادث اور موجودات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کے تمام واقعات اور موجودات اس تغیر پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اس بنا پر صحیح رویہ یہ ہوگا کہ ہم کسی بھی موضوع پر جداگانہ طور پر غور نہ کریں بلکہ دوسرے موضوعات سے اسے مربوط کر کے غور کریں۔ وجودِ حیات کے تمام اجزار کے ایک جز کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کریں۔

تیسرا قانون

تضادات کے جمع ہونے کا اصول

ڈایلیکٹک کا یہ تیسرا اصول ہمیں بتاتا ہے کہ فلاسفہ ماورار الطبیعت (میٹافزیک) کے خیال کے برخلاف[1] متضاد چیزوں کو جمع کرنا محال نہیں ہے۔

---

[1] ڈایلیکٹک کے ماننے والے اپنی منطق کے مدمقابل نکتے کو (باقی اگلے صفحہ پر)

دنیا مجموعہ اضداد ہے اور ہر جگہ متضاد چیزیں دست بدست اور قدم بقدم ہیں۔

ہراکلیت (ہراقلیطوس) کہتا ہے:

"تم کسی بھی چیز کو دیکھو وہ ایک اعتبار سے
ہے اور ایک اعتبار سے نہیں ہے۔"[1]

ہراقلیطوس کی مراد یہ ہے کہ چونکہ تمام چیزیں تغیر اور حرکت کی حالت میں ہیں ہر چیز کا وجود اپنے ایک مرحلے میں گزشتہ مرحلے کی معدومیت کے ہمراہ ہوتا ہے۔ ایک پکا ہوا میوہ اپنے کچے ہونے کے گزشتہ مرحلے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح بڑھاپے کا وجود عدم جوانی اور جوانی کا وجود عدم طفولیت کے ہمراہ ہوتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو فلاسفہ کہتے ہیں کہ:

"حرکت کے اس سفر میں وجود اور عدم وجود دونوں
ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے
ساتھ ساتھ ہیں۔"

اس رسالے "ڈایلیکٹک میٹیریلزم"[2] کا لکھنے والا اس اصول کی وضاحت میں کہتا ہے:

"ہر دو متضاد مفہوم جن پر ہم فکر کرتے ہیں اپنے اندر

(بقیہ گزشتہ سے پیوستہ) ماورا الطبیعت فلسفے کی منطق سمجھتے ہیں۔ البتہ اس نسبت میں بہت سی غلطیاں ہیں جن کی بعد میں توضیح کی جائے گی۔

[1] سیر حکمت در اروپا

[2] مجلہ "دنیا" کی اشاعتوں سے ماخوذ جو ڈاکٹر ارانی اور اس کے شاگرد ترتیب دیتے ہیں۔ یہ مجلہ ایران کے کمیونسٹوں کا نظریاتی ترجمان تھا اور اب یہ یورپ سے شائع ہوتا ہے۔

ایک قدر مشترک رکھتے ہیں مثلاً سیاہ اور سفید، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن ان کا قدر مشترک رنگ ہے۔ اس طرح دو متضاد چیزیں ایک دوسرے کی غیر بھی ہیں اور عین بھی۔[1]"

جارج پولیسٹر کہتا ہے:

"اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر زندہ وجود ایسے خلیوں سے مل کر بنا ہے جن کی مسلسل تجدید ہوتی رہتی ہے۔ بیک وقت یہ خلیے مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ ان کے مرنے اور نشو ونما پانے کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ اس طرح ایک زندہ وجود اپنے اندر موت اور زندگی لیے ہوئے ہوتا ہے۔"

اس کے بعد وہ مثالیں دیتے ہوئے کہتا ہے:

"مردہ انسان کے داڑھی نکل آتی ہے اس کے ناخنوں اور بالوں کی نشو ونما جاری رہتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندگی موت کے دل میں خود کو باقی رکھتی ہے۔[2]"

ب: ——— دنیا کی تمام چیزیں ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ وجود و

---

[1] یہ بیان دراصل "اصول اجماع ضدین" کی تفہیم اور وسعت کے مفہوم کو واضح کرتا ہے۔

[2] کتاب فلسفہ کے ابتدائی اصولوں کا خلاصہ صفحہ ۱۲۵

عدم ، زندگی اور موت ، صحیح و غلط ، علم اور جہل ، اچھائی اور برائی سب ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ کوئی بھی چیز صد فی صد قطعی نہیں ہے۔ آج جو چیز صحیح سمجھ لی گئی ہے وہ اپنے اندر ایک غلط پہلو کو مخفی رکھتی ہے جو بعد میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح جس طرح کہ آج کی بہت سی غلط سمجھی جانے والی چیزیں کل تک کی صحیح پہلو رکھنے والی ثابت ہوتی رہی ہیں۔

ج ـــــــ دنیا کا ہر وجود اپنے دل میں اپنی ضد کو پرورش دیتا ہے مثلاً انسان کے وجود میں ایسے عوامل ہیں جو اسے موت کی طرف کھینچتے ہیں، مرغ کے انڈے میں ایسے عوامل موجود ہیں کہ ضروری شرائط کے پورا ہونے پر وہ اسے ختم کر دیتے ہیں اور اس کی ضد یعنی چوزے کو وجود میں لے آتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ معاشرے کے دل میں ایک ایسا عامل موجود ہوتا ہے (یعنی مزدوروں کا طبقہ) جو سرمایہ داری کی ضد یعنی کمیونزم کو پرورش دیتا ہے۔

د ـــــــ اشیا کا اپنی ضد میں تبدیل ہونا ایک اندرونی جنگ کی بنا پر ہوتا ہے۔ یعنی ایک جانب تمام چیزوں میں ایسے عوامل موجود ہوتے ہیں جو موجودہ حالت کو باقی رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے پر مائل ہوتے ہیں۔ اس قوت کو اثبات یا (Thesis) یا حکم کہتے ہیں۔

دوسری طرف ایسے عوامل موجود ہوتے ہیں جو اس کی ضد ہوتے ہیں اور وہ اسے ختم کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

اس قوت کو نفی یا (Antithesis) یا ضدِ حکم کہتے ہیں۔
جس وقت بھی ان دونوں قوتوں کی اندرونی جنگ ختم ہوتی ہے اور نفی کرنے والی طاقتیں غالب آجاتی ہیں تو اس صورت میں رونما ہونے والی حالت کو نفی در نفی یا (Synthesis) یا حکم مرکب کہا جاتا ہے۔
اس بات کو مندرجہ ذیل مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے،
"مُرغ کے ایک انڈے پر غور کریں، اگر مخالف عوامل اس کے وجود میں موجود نہ ہوں تو وہ اسی حال میں باقی رہتا ہے۔ یعنی اس کے اندر ایسے موافق عوامل موجود ہیں جو اس کی موجودہ حالت کو باقی رکھتے ہیں۔ یہ وہی "اثبات" کی (Thesis) کی حالت ہے۔ لیکن ٹھیک اس کے مقابل ایک عامل ہے کہ جس سے مراد نطفۂ حیات ہے وہ اس میں موجود ہوتا ہے جو بتدریج نشوونما پاکر انڈے میں جو کچھ موجود ہوتا ہے اسے ہضم کرلیتا ہے۔ یہ حالت نفی کی یا (Antithesis) کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں طاقتوں کے درمیان جنگ اور نفی کرنے والی طاقتوں کے غالب آنے سے مرغ کا انڈا چوزے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ وہی نفی در نفی کی حالت یا (Synthesis) کی حالت ہے۔ اس مثال کی نظیر انسانی نطفہ کے ایک انسان کی صورت اختیار کرنے اور دانے کے پودے کی صورت اختیار کرنے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

———— . ————

چوتھا قانون

دفعتہً انقلاب کا اصول

ڈایلیکٹک کا چوتھا اصول "دفعتہً انقلاب کا اصول" ہے۔ کبھی اسے "کمیت سے کیفیت میں تبدیل ہونے" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد جیسا کہ انجلس نے اپنی کتاب "اینٹی ڈوھرنیک" میں کہا ہے یہ ہے کہ :

"کمیت میں رونما ہونے والا تغیّر ایک خاص مرحلے میں اچانک کیفی تغیّر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔"

یعنی اگرچہ تمام موجوداتِ فطرت اور سارے واقعات، تغیّر اور ارتقار کے عمل ہی کی بنار پر کمیت کے اعتبار سے پیش رفت کرتے ہیں اور ان میں ترقی و اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن کمیت کے اعتبار سے جاری رہنے والا یہ تکمیل و ارتقار کا عمل بے نہایت اور لا متناہی نہیں ہوتا اور بالآخر ایک ایسی حد پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں ایک ناگہانی اور تیز تغیّر اسے بالکلیہ نئی کیفیت سے دوچار کر دیتا ہے۔ یعنی کمیت کیفیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں "انقلاب" برپا ہو جاتا ہے۔

مثلاً وہ تغیّرات جو سطح زمین پر رونما ہوتے رہے۔ تدریجی نہیں رہے ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوا ہے کہ ایک اچانک بڑے تغیر اور زبردست تبدیلی نے تمام چیزوں کو انسان کے طرز تمدّن اور زندگی کو اس روئے زمین پر بالکل تبدیل کر کے رکھ دیا۔ جیسے طوفانی بارشیں اور بڑے بڑے سیلاب۔ مذہبی کتابوں میں ان کا ذکر طوفانِ نوحؑ کی صورت میں کیا گیا ہے۔

اگر ہم پانی کو جوش دیتے ہوئے اس کے درجۂ حرارت کو زیادہ یا کم کریں تو پانی

تدریجاً گرم یا سرد ہوتا جائے گا۔ لیکن یہ عمل بے نہایت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک ایسی حد آجاتی ہے جہاں ایک ناگہانی تغیّر کے سبب پانی بھاپ میں تبدیل ہو جاتا ہے یا پھر وہ جم کر برف بن جاتا ہے۔

جارج پولیٹزر نے اپنی کتاب میں یہ تصریح کی ہے کہ :

" اس اصول کو ایک کلّی اور عمومی حیثیت حاصل ہے" [1]

ضروری نکات

اس مقام پر دو نکات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے :

① ——— جیسا کہ ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں ڈایلیکٹک کے اصول کی وضاحت میں خود مارکسسٹوں کے درمیان قابلِ توجہ اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً مجلّہ "دنیا" کی تیسری خصوصی اشاعت میں ڈایلیکٹک کے صرف دو اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اوّل : "اضداد کے نفوذ" کا اصول (یہ اصطلاح جمع بین ضدین کی جگہ استعمال کی گئی ہے) اس میں کمیت کے کیفیت میں تبدیل ہونے کا اصول بھی شامل ہے اور اسے نفوذ ضدین ہی کے مقامات میں سے ایک مقام اور ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] فلسفہ کے ابتدائی اصول صفحہ ۱۴۴

دوّم: "تضادات میں تکمیل و ارتقاء" کا اصول جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق ڈایلیکٹک کے پہلے اصول کا ایک حصہ شمار ہوتا ہے یعنی "عمومی اور دائمی تغیر و تبدل" لیکن غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر یہ مختلف بیانات کسی ایک متعین بنیاد کی طرف نہ لوٹیں تو کم از کم وہ باہم مشابہت رکھتے ہیں اور اپنی غایت میں مشترک ہیں۔

(۲) ——— مجلہ "دنیا" کی تیسری اشاعت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ڈایلیکٹک کی دو صورتوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اوّل: فطرت میں ڈایلیکٹک۔

دوّم: ذہن و فکر میں ڈایلیکٹک۔ اس سے مراد انسانی دماغ میں ڈایلیکٹک کا تصور ہے۔ یعنی ذہنی تصورات میں ڈایلیکٹک کا اصول اور عمل کار فرما ہو۔ ڈایلیکٹک کی اس قسم کے مطابق ذہنی تصورات عین اس حالت میں کہ وہ باہم مختلف اور متضاد ہوتے ہیں باہم متحد اور ایک بھی ہوتے ہیں کیونکہ ہر دو متضاد تصورات بالآخر ایک جامع مفہوم کی طرف لوٹتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے خارجی دنیا میں جمع اضداد کے اصول کے تحت عمل ہوتا ہے۔

ایک روشن مثال:

اصول ڈایلیکٹک کے بارے میں کمیونسٹوں کے طرزِ فکر کو روشن کرنے کے لیے بہتر یہ ہوگا کہ مذکورہ تمام اصولوں پر عمل درآمد کی نوعیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کریں۔ وہی مثال جس کے لیے انھوں نے یہ تمام فلسفے پیدا کیے ہیں اور جو ان کی تمام نکتہ سنجیوں کا ہدف ہے۔

کمیونسٹ کہتے ہیں ڈایلیکٹک کے پہلے اصول کے مطابق انسانی معاشرہ ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہتا وہ ہمیشہ تغیر کی حالت میں رہتا ہے۔ جیساکہ فلاسفۂ ماورارالطبیعت کا خیال ہے کہ سرمایہ دارانہ حکومت ہمیشہ سے موجود نہیں رہی ہے اور ہمیشہ قائم ودائم نہیں رہے گی۔

ڈایلیکٹک کا دوسرا اصول کہتا ہے: صنعتوں میں ترقی اور اشیا ئے صرف کے پیداواری حالات، معاشروں کی تشکیل پر اثرانداز ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ معاشرتی اقدار، پیداواری حالات کی تبدیلی پر اثرانداز ہوتے ہیں، یہ اثراندازی دوطرفہ ہوتی ہے۔

ڈایلیکٹک کا تیسرا اصول بتاتا ہے: سرمایہ دارانہ حکومت اپنے صنعتی ہونے کی بنا پر اور بڑے بڑے کارخانوں کے قیام کے ذریعے اپنے مخالف عنصر یعنی پرولتاریہ (مزدوروں اور محنت کشوں کی جماعت) کو اپنے اندر پروان چڑھاتی ہے۔ ان دونوں میں کشمکش ہوتی ہے۔ حکومت کو باقی رکھنے کے عوامل (Thesis) اور ان کی نفی کرنے والے عوامل (Antithesis) ایک دوسرے کے مقابل آجاتے ہیں بالآخر نفی کرنے والے عوامل کو کامیابی حاصل ہوتی ہے اور کمیونسٹ معاشرہ جو (Synthesis) یا نفی در نفی ہے وجود میں آجاتا ہے۔

چوتھا اصول یہ بتاتا ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشرے کا تغیر اور ارتقار ایک مدت تک کمیت کے اعتبار سے ترقی کرتا ہے لیکن جب وہ

اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو اپنے اندر کیفیتی اعتبار سے تغیّر
پیدا کر کے ایک برق رفتارانہ جست اور تیز حرکت کے ساتھ
انقلاب سے دوچار ہو جاتا ہے اور یہ خونین انقلاب اسے
کمیونسٹ معاشرہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔
یہی چیز کمیونزم کو انقلابی کیفیت عطا کرتی ہے۔ یہ سریع
الحرکت عمل کمیونزم کے لیے ناگزیر ہے۔ اور اصلاحی تبدیلیوں
کے ذریعے ہونے والے تغیرات کے ذریعے ناممکن ہے۔
(یعنی کمیونزم صرف دفعتۃً انقلاب سے آسکتا ہے آہستہ
آہستہ نہیں آسکتا۔)

ڈایلیکٹک کے اصولوں اور قوانین کا ایک خلاصہ ہم نے پیش کیا اور معاشرہ میں ان سے کام لینے کا طریقہ واضح کیا۔ اب ہم ان غلط فہمیوں اور کمزور نکات کا ذکر کریں گے جو کمیونسٹوں کی طرف سے پیش کردہ ان اصولوں کی توضیحات و تشریحات میں پائے جاتے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

ڈایلیکٹک کے اصول کے کمزور نکات

مذکورہ اصول جو فی الواقع کمیونسٹوں کے فلسفہ، معاشرہ، سیاست اور معیشت کے بارے میں بحثوں کے سمجھنے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں بہت سے کمزور نکات کے حامل ہیں۔

ہم ان میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کریں گے۔

الف۔ پہلے اصول کے بارے میں

دنیا میں عمومی اور ابدی تغیر و تبدل کے بارے میں کہ جو ڈیلیکٹک کی روح سمجھا جاتا ہے، چند نکات کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

① ــــــ اس اصول کے بارے میں جو بات ہر چیز سے پہلے ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس اصول کا کوئی ماٰخذ اور سند نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی ترجمانی کرنے والوں نے تمام چیزوں اور تمام جگہوں پر تغیر کے اصول کو منطبق کرنے اور اس اصول کی عمومیت ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل قائم نہیں کی ہے انھوں نے صرف دعویٰ کرنے اور اپنا نظریہ پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ان کی دلیل وہی چیز ہے جسے ہم اصطلاح میں "استقرائے ناقص" کہتے ہیں۔ یعنی فطری اور معاشرتی موجودات اور واقعات کے مختلف نمونوں کا انھوں نے مطالعہ کیا اور ان میں تغیر و تبدل کے اصول کا مشاہدہ کیا اور پھر اس اصول کو تمام اشیا پر منطبق کر دیا جبکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ علمی نقطۂ نظر سے ایسا کوئی استدلال مطمئن کرنے والا نہیں ہوتا اور کوئی فلسفیانہ قدر و قیمت نہیں رکھتا۔

البتہ یہ اعتراف کیا جانا چاہیے کہ عالم فطرت میں اب تک جن موجودات کا انکشاف ہوا ہے اور جو موجودات تحقیقات کا موضوع بنی ہیں وہ تغیر و تبدل کا نشانہ بنی ہیں۔ آج کے علوم طبیعی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم تمام فکری مباحث، علمی قوانین اور معاشرتی قوانین کو بھی اس اصول سے

باندھ دیں۔ (غور کریں)

(۲) ـــــــ اس اصول کے عمومی ہونے کے خلاف جو روشن دلائل ہیں ان میں سے ایک تمام علوم میں پائے جانے والے ناقابل تغیر اصولوں کے سلسلے کی موجودگی ہے۔ ہم ریاضی کے علوم میں مسلمہ قواعد کا ایک سلسلہ پاتے ہیں جو ہمیشہ مستقل طور پر موجود رہا ہے اور دوسرے مسائل کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح علوم طبیعی (طبیعیات، کیمیا اور زمین شناسی و انسان شناسی) میں اس طرح کے ناقابل تغیر اصولوں کی کوئی کمی نہیں۔ کوئی شخص بھی یہ گمان نہیں کرتا کہ روشنی کے پھیلنے کا قانون اور محدّب اور مقعر آئینے میں انعکاس نور سے متعلق قوانین اور اجرام سے متعلق قوانین کسی روز بدل جائیں گے۔ یا وہ تحقیقات جو انسانی قلب اور پھیپھڑوں اور گردوں کے اعمال کے بارے میں کی گئی ہے کسی دن غلط ہو کر رہ جائے گی۔ فلسفہ اور منطق میں اس طرح کے ناقابل تغیر اصول بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً اجماعِ ضدّین یا نقیضین کا محال ہونا (ان معنیٰ میں جن کا ذکر آگے آئے گا نہ کہ ان معنیٰ میں جو کمیونسٹ مراد لیتے ہیں) کسی بھی عاقل کے نزدیک قابل تغیر نہیں ہوگا۔

البتہ یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ تمام علوم میں غیر مسلّمہ مسائل و نظریات کا ایک سلسلہ موجود رہا ہے اور آج بھی ہے۔ (یہاں تک کہ بعض مسائل کے متعلق بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ مسلّمات کا جزو ہیں اور بہت سوں کے نزدیک وہ مسلّمات کا جزو نہیں ہیں) اس طرح کے غیر مسلّمہ نظریات و مسائل تغیر و تبدّل کے دور سے گزرتے ہیں

اور علوم کی ترقی کے ساتھ تغیر کی زد میں آجاتے ہیں۔ طبیعیاتِ قدیم میں چار عناصر اور نو افلاک کے مسائل اور مختلف علوم میں اس طرح کے صدہا مسائل اس نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ ان کا معاملہ بدیہی مسائل سے مختلف ہے۔

(۳) ——— بنیادی طور پر ہم ہمیشہ آزادانہ طور پر فکر کرتے ہیں اور جس اصول پر ہم اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں اور اپنے طرز تفکر اور تحقیق کو استوار کرتے ہیں اسے عملاً مستقل اور ناقابل تغیر سمجھتے ہیں مثلاً یہی کمیونسٹ ڈایلیکٹک کے اصول کو ایک ایسا دائمی اور مستقل اصول سمجھتے ہیں جو دنیا پر حکومت کرتا ہے اور وہ اسے تغیر پذیر نہیں سمجھتے۔ دوسرے بھی اسی طرح اپنے اصول اور منطق کو مستقل سمجھتے ہیں۔

کمیونسٹوں کا یہ کہنا کہ تمام چیزیں حالتِ تغیر میں ہیں سوائے ایک چیز کے اور وہ "اصول تغیر" ہے تو اس کی بنیاد بھی یہی ہے بے شمار مفکرین دنیا کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں ہمہ گیر تحقیقات میں مصروف ہیں وہ بھی اسی مدعا کے شاہد ہیں۔

(۴) ——— یہ کہنا کہ تمام حرکات کا رخ تکمیل و ارتقا کی جانب ہے یہ بھی قابلِ اعتراض ہے۔

اس لیے اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ موجوداتِ عالم کی عمومی حرکت میں ارتقا و تکمیل کا عمل موجود ہے اور ان معنوں میں موجود ہے کہ عالم وجود بحیثیت مجموعی کمال کی جانب رواں ہے یا دنیائے انسانیت یا زندہ موجودات بحیثیتِ کل کمال کی جانب مصروف سفر ہیں تو ممکن ہے یہ بات قابل قبول ہوتی اور یہ ان قسم

قسم کی تحقیقات سے ہم آہنگ ہوتی جو جہانِ ہستی یا انسانی معاشرہ اور جاندار موجودات کے بارے میں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن یہ دعویٰ کہ دنیا میں ہونے والی ہر حرکت کا رُخ ارتقاء و تکمیل کی طرف ہے بہت مشکل نظر آتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں فرداً فرداً ہر ایک کے ارتقاؤ تکمیل کا ثابت کرنا محال بلکہ ناممکن ہے۔

حیوانات کی بہت سی اقسام ایسی ہیں جن کی نسل پھیلنے کے بجائے گھٹتی رہی ہے اور وہ بالآخر نابود ہو گئیں۔ اسی طرح کئی انسانی تہذیبیں ایسی ہیں جو تباہ اور معدوم ہو چکی ہیں اور اب تاریخ میں بس ان کا نام ہی باقی رہ گیا ہے۔ اسی طرح بعض سیارے اور ستارے اپنے وجود سے محروم ہو چکے ہیں یا بتدریج ان کا وجود ختم ہوتا جا رہا ہے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر خلا میں بکھرتے جا رہے ہیں۔ یہ اور ایسی ہی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کی بنا پر ارتقاء و تکمیل کے اصول کو تمام موجودات کے بارے میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

⑤ ——— بالفرض، عمومی حرکت اور تغیر کو تسلیم کر لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تمام موجودات میں ارتقاؤ تکمیل کا عمل جاری ہے تو بھی یہ بات قبول نہیں کی جا سکتی کہ ارتقا کا یہ سارا عمل اور تغیرات اندرونی قوتوں کے زیر اثر رونما ہو رہے ہیں۔ یہ بات نہ صرف قابلِ تردید ہے بلکہ بعض صورتوں میں مشکل ہے۔ اس لیے کہ تمام تغیرات کے لیے اندرونی قوتوں اور عوامل کا دعویٰ نہ صرف یہ کہ کوئی دلیل نہیں رکھتا بلکہ برعکس دلیل بھی رکھتا ہے۔

بہت سے تغیّرات بیرونی حالات و اثرات کی بنا پر رُونما

ہوتے ہیں ۔ مثلاً جو تغیرات عالمِ ہیئت میں رونما ہوئے ان کی وجہ سے صنعتی مشینری کو ترقی حاصل ہوئی جس نے خلار کے مطالعہ وتحقیق کی راہ ہموار کی اور موجودہ انسانی تمدن میں رونما ہونے والی تبدیلیاں طرح طرح کی مشینوں کی ایجاد اور صنعتوں میں ترقی کی رہینِ منت ہیں ۔ وہ تبدیلیاں جو نباتات اور حیوانات کی دنیا میں پیدا ہوتی ہیں کافی حد تک اپنے ماحول اور طرزِ زندگی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

البتہ ہر موجود میں تغیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے تاکہ اس میں تبدیلی رونما ہو لیکن اس کی یہ صلاحیت تبدیلی کا اصل عامل یا تنہا عامل نہیں ہوگی بلکہ خارجی حالات واثرات تبدیلی کے اصل عوامل میں شمار ہوں گے ۔

ب : دوسرے اصول کے بارے میں

یہ اصول (تمام واقعات اور موجودات کا ایک دوسرے پر اثرانداز ہونا) ایک حد تک قابل قبول ہے ۔ یعنی دنیا اور موجوداتِ دنیا کا جہاں تک ہم نے مطالعہ ومشاہدہ کیا ہے اور جہاں تک علومِ طبیعی نے ہماری رہنمائی کی ہے ۔ واقعات وموجودات میں ارتباط اور باہمی تاثیر وتاثر کے عمل کو ہم نے ہر جگہ دیکھا ہے ۔ ہم اپنے اس مطالعہ ومشاہدہ کے نتیجے کو تقریباً ایک کامل استقرار (استدلال) کی صورت میں پیش کر سکتے ہیں ۔

اجتماعی واقعات ، ایجادات اور انسان کی فکری تخلیقات کے بارے میں بھی یہ بات ایک حد تک قابل قبول ہے (چاہے علمی ہو یا کچھ اور ہو) اس لیے کہ علوم کا ارتقار ہمیشہ ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتا رہا ہے اور تاریخی واقعات زنجیر

کے حلقوں کی صورت میں ایک دوسرے سے مربوط اور جُڑے ہوئے ہیں۔

مختصر یہ کہ علّت و معلول کا قانون، واقعاتِ دنیا و موجوداتِ دنیا کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط رکھتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود چند باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

(۱) ـــــــ تاثیر کا یہ عمل ہر جگہ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی دلیل کی بنا پر کسی بھی تغیر کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہر جگہ اثرانداز ہوگا اور تمام چیزوں کی سرنوشت پر حقیقی اثرات کا حامل ہوگا۔

مثلاً کہکشاؤں کی دنیا میں ہمیشہ حرکت اور تغیّر ہوتا رہتا ہے، تبدیلیوں کا عمل جاری رہتا ہے، کئی عالم وجود میں آتے اور کئی عالم فنا سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان تغیّرات کے نتائج امواجِ نور کے ذریعہ ہماری اس دنیا میں منعکس ہوں، اس کے باوجود یہ دعویٰ ہرگز قابل قبول نہیں ہے کہ کائنات میں دور دراز مقام پر موجود آسمانی کواکب میں جو چھوٹی سے چھوٹی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ کوئی محسوس ہونے والے اثرات ہماری اس دنیا پر ڈالیں اور اصطلاحاً ہماری زندگی پر وہ کوئی ایسا اثر مرتّب کریں جو قابل مطالعہ و مشاہدہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ نظام شمسی سے وابستہ بعض سیاروں جیسے مریخ وغیرہ میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ بالفرض یہ بات مان لی جائے تو کیا اس صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام اجتماعی تبدیلیاں اور زندگی کی خصوصیات جو اس خاص سیارے میں رونما ہوں گی ہمارے کرۂ زمین کے انسانی معاشرہ پر ایسے کچھ اثرات

ڈال سکیں گی جو قابلِ مشاہدہ ہوں۔

سمندروں کی گہرائیوں میں چند ہزار میٹر نیچے عجیب و غریب جاندار ایک مخصوص ماحول اور حالات میں زندگی بسر کرتے ہیں اگر وہ سطحِ آب پر آجائیں تو یقیناً زندہ نہ رہ سکیں۔ ان کی بعض اقسام تازہ تازہ وجود میں آئی ہیں اور بعض اقسام فنا ہونے کے قریب ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان آبی مخلوقات کی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیاں ہماری قسمت کو نہیں بدل سکتیں اور ہماری زندگی میں کوئی محسوس ہونے والے تغیرات نہیں لاسکتیں۔

اگر باہمی تاثیر سے مراد ہر قسم کی تاثیر ہے (خواہ عملاً اس کی کوئی تاثیر نہ ہو) تو یہ بات قبول کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس اصول سے ہر جگہ عملی نتائج حاصل کرنے کے لیے کہا جائے تو یہ بات ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

(۲) ——— اگر کوئی شخص اس اصول سے یہ نتیجہ حاصل کرنا چاہے کہ

"جہانِ ہستی میں کوئی حقیقت مطلق نہیں ہے، ہر چیز دراصل ماحول کے حالات و اثرات کا انعکاس ہے اور حالات کی تبدیلی سے چیزوں میں بھی بالکلیہ تغیر آجاتا ہے۔ اسی طرح انسانی افکار اور علوم اپنے مادی ماحول کے اثرات کا انعکاس ہیں اور ان خارجی اثرات کی تبدیلی کے ساتھ وہ بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔"

تو ہمارے نزدیک اس طرح کا نتیجہ اخذ کرنا مسلّمہ طور پر غلط ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ اصول موجودات اور واقعات کی اجمالی

تاثیر کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی مستقل حیثیت کو بالکلیہ طور پر سلب نہیں کرتا۔

ہم مسلّمہ اور قطعی حقائق کے ایک سلسلے کا اپنی عقل و فکر کی مدد سے ادراک کرتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ انسان جس طرح کے بھی حالات میں ہو وہ انھیں قبول کرے گا۔ یہ حقائق ریاضی کے قواعد اور ضابطوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ دوسرے بہت سے علوم بھی اپنے مستقل اور قطعی قوانین رکھتے ہیں اور تمام لوگوں نے انھیں تسلیم کیا ہے۔

(۳) ——— ڈایلیکٹک کے طرفدار کبھی "باہمی تاثیر" کی بجائے "ارتقائی اعمال میں ارتباط" یا "ترقی و پیش رفت کی راہ میں باہمی تعاون و تعلق" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس بات سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ تاثیر و تاثر کا عمومی عمل جو تمام طبعی عوامل اور اجتماعی واقعات میں کارفرما ہے وہ ہمیشہ ان کی تکمیل میں مددگار بنتا ہے اور فی الواقع موجودات عالم کے مختلف نظاموں کے ارتقار اور تکمیل میں ایک باہمی عمومی اور دائمی تعاون کا عمل جاری رہتا ہے۔

اگر ہم ارتقار اور تغیّر کے اصول کو عالم طبیعت اور انسانی معاشرہ کی ہر اکائی میں تسلیم کرلیں اور اس پہلے اصول میں دوسرے اصول کو بھی ضم کردیں تو وہی نتیجہ حاصل ہوگا لیکن ہم ہر حرکت اور تبدیلی کے بارے میں یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ اس کا رخ لازمًا ارتقار اور تکمیل کی طرف ہے البتہ ہم پوری کائنات میں ارتقار کے مجموعی عمل کو تسلیم کرتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک موجود کا ارتقار اور تکمیل دوسرے موجود پر منفی اثر ڈالتی ہے اور اس کے انحطاط کا سبب بنتی ہے۔ اس چیز کا بھی اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بعض قوموں کے تمدّن کے ارتقار اور عروج نے بعض دوسری قوموں اور تمدّنوں کے انحطاط کے لیے زمین ہموار کی ہے۔ یہ بات بھی اکثر دیکھی گئی ہے کہ بعض اقسام کے جانداروں کا ارتقار بعض دوسرے جانداروں کے انحطاط یا ان کی نسل کے خاتمے کا سبب بن گیا۔ اسی طرح آج کے مادّی تمدّن کی ترقی اور اس کا عروج اخلاقی انحطاط سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔

آج کی سہولتیں اور باہمی ربط کے لیے وسائل کی ترقی جراثیم کے تیزی سے پھیلنے کا سبب بنی ہے اور اس نے انسانوں کی صحت و سلامتی کے لیے خطرہ پیدا کر دیا ہے اور صحت و تندرستی میں کمی آگئی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ج: تیسرے اصول کے بارے میں

ڈایلیکٹک کا تیسرا اصول یعنی "جمع بین ضدّین" دو اعتبار سے قابل بحث ہے۔

ڈایلیکٹک کے طرفداروں نے "نقیضین"، یا بقول ان کے "ضدّین" کی اصطلاح کے معنی سمجھنے میں بہت بڑی اور ناقابل معافی غلطی کی ہے۔ یہ فلاسفۂ ماورار الطبیعت Metaphysics کی اصطلاح ہے۔ اپنی اس غلطی کی وجہ سے وہ منطق اور فلسفۂ ماورار الطبیعت کے روشن ترین اصول یعنی "جمع ضدّین" یا "جمع نقیضین"

کے محال ہونے کے اصول کو بالکلیہ طور پر موہوم اور بے بنیاد سمجھتے ہیں اور اس پر تیز و تند حملے کرتے ہیں جبکہ ان کے ان حملوں کا ہدف وہ خیالی اور غیر حقیقی تصور ہے جو انھوں نے جمع ضدّین یا جمع نقیضین کے بارے میں اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ فلاسفۂ ماوراء الطبیعت (Metaphysics) کی اصطلاح میں نقیضین سے مراد دو مثبت و منفی موضوع جو تمام اعتبارات سے (زمان، مکان، موضوع، محمول، شرط، کمیت، کیفیت وغیرہ) مشترک ہیں، صرف یہ کہ ان دونوں میں سے ایک مثبت ہے اور دوسرا منفی۔ مثلاً ان دو مختلف فقروں پر غور کیجیے:

پہلا فقرہ یہ ہے:

"ایک معین وقت میں، ایک معین مقام میں،
معین شرائط اور معین کیفیت و کمیت میں،
ایک زلزلہ رونما ہوا۔"

دوسرا فقرہ یہ ہے:

"اسی زمانے میں، اسی مقام میں، انھیں شرائط میں
زلزلہ رونما نہیں ہوا"

یہ دونوں فقرے باہم متناقض ہیں اور ان دونوں کو ہم نقیضین کہتے ہیں۔ کسی بھی سمجھ دار آدمی کو اس بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ ہر دو بیانات صحیح اور واقعہ کے مطابق نہیں ہوسکتے (یہ وہی اجتماع نقیضین کا محال ہونا ہے) اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ہر دو بیانات باطل اور جھوٹ ہوں (یہ وہی ارتفاع نقیضین کا محال ہونا ہے)

لیکن اگر زمانہ، مکان یا شرائط اور حالات مختلف ہوں تو دونوں بیانات

کے صحیح یا جھوٹ ہونے کا امکان ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہوگا۔ ڈایلیکٹک کے تمام طرفداروں نے مسئلہ جمع ضدین کے لیے جو مثالیں دی ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔

حیرت اس بات کی ہے کہ فلاسفہء ماوراالطبیعت نے تقریباً منطق کی تمام کتابوں میں صراحتاً اس حقیقت کا ذکر کیا ہے لیکن نہیں معلوم ان حضرات نے کیوں اُن میں سے کسی ایک کا بھی مطالعہ نہیں کیا اور وہ معمولی سی تحقیق کے بغیر اس بحث کا فیصلہ چاہتے ہیں۔

دوسرا پہلو :-

مذکورہ غلطی کے قطع نظر جمع ضدین (یا نقیضین) کا اصل نظریہ انہی معنوں میں جو ڈایلیکٹک کے طرفداروں کے نزدیک معتبر ہیں کئی پہلو سے قابل اعتراض ہے۔

(۱) —— مذکورہ اصول کی توضیح میں اس سے قبل جو کچھ کہا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس بات کے مدعی ہیں کہ دنیا کی تمام چیزیں باہمی نسبت کا پہلو رکھتی ہیں۔ چونکہ تمام چیزیں حرکت کی حالت میں ہیں اور حرکت کی مثال ایک سیال اور رواں دریا کی سی ہے جس میں پائی جانے والی ہر چیز اپنے ماضی اور مستقبل سے فرق رکھتی ہے۔ آج اس کی جو وضع ہے وہ ماضی میں نہ تھی اور نہ مستقبل میں ہوگی۔

اسی لیے ہراکلیٹ جسے ڈایلیکٹک کا باوا آدم کہا جاتا ہے کہتا ہے :

" تو جس چیز کو بھی دیکھتا ہے ایک اعتبار

سے وہ موجود ہے اور ایک اعتبار سے
موجود نہیں ہے۔"

البتہ یہ بات ان چیزوں کے بارے میں جو حرکت میں ہیں (اس توضیح کے ساتھ جو کی گئی ہے) صحیح ہے۔

دوسرے الفاظ ہیں: وہ تمام موجودات جو مکان و زمان اور خاص شرائط کے پابند ہیں ان پر نسبت کا اصول حکمراں ہے، وہ کسی زمانے اور مکان سے نسبت رکھتے ہیں اور کسی زمانے اور مکان سے نسبت نہیں رکھتے (مثلاً ہم اس خاص زمانے اور مکان میں ہیں اور دوسرے زمان و مکان میں نہیں رہے ہیں اور نہیں رہیں گے۔

لیکن وہ حقائق جو زمان و مکان کی قید اور دوسری شرائط سے آزاد ہیں نسبت کا اصول ان پر نافذ نہیں ہوتا اور اس اصول کو ان تک وسیع کرنا صد فی صد غلط ہے۔

دو ضرب دو کا حاصل چار ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو زمان و مکان کی پابند نہیں ہے۔

ایک متعین و مقرر موضوع میں وجود اور عدم تمام اعتبارات سے باہم جمع نہیں ہوتے اور یہ دوسری حقیقت ہے کہ وہ زمان و مکان کے ساتھ مقید نہیں۔ ان کے لیے سینکڑوں مثالیں ہمیں علم و فلسفہ کے حقائق سے ملتی ہیں کہ وہ ان امور کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ (بہت سے اصول جو معاشروں میں رائج ہیں ان کی بنیاد بھی مفکرین کا یہی ثابت اور تسلیم شدہ اصول ہے)

اس بنا پر "نسبت یا اضافیت کا اصول" کسی کے بارے میں

بھی درست نہیں اور جمع ضدّین کسی معنٰے میں بھی ان کے بارے میں صیح نہیں ہے۔

(۲) ———— ہم اپنے نظریات کے اصول کو ہرگز نسبی — یا — اضافی (Relative) نہیں کہتے اور ہم کائنات کا مشاہدہ اضافیت کی بنیاد پر نہیں کرتے حتیٰ کہ اصول اضافیت کے طرفدار بھی اس اصول کو اضافی نہیں سمجھتے بلکہ اسے وہ مطلق سمجھتے ہیں۔ یہ بات خود اس امر کی بہترین دلیل ہے کہ اضافیت کا قانون تمام چیزوں پر حکمراں نہیں ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم خواہ کسی بھی مکتبِ خیال کے پیرو ہوں اس مکتب خیال اور اس اصول کو قطعی اور ازلی و ابدی حقائق میں شمار کرتے ہیں اور اضافیت کا اصول ان اصولوں میں ہرگز شامل نہیں ہوا کرتا۔

(۳) ———— "فکری و ذہنی مفاہیم و مطالب کے اندر ڈایلیکٹک" کے بارے میں اور سیاہی اور سفیدی کے دو تصورات کو رنگ کے واحد مفہوم کے تحت لانے کے بارے میں یہ پہلو صاف دکھائی دیتا ہے۔ کہ یہاں جمع بین ضدّین، صرف نام کی بنا پر ہے ورنہ بصورت دیگر جب ہم سیاہی اور سفیدی کو صرف رنگ کے مفہوم میں لیتے ہیں اور ان خاص پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو انھیں ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں اور صرف ان کے قدر مشترک کو پیش نظر رکھتے ہیں تو ہمیں دونوں کے درمیان کوئی تضاد نظر نہیں آتا۔

خلاصہ: متضاد تصورات (اشتراکی نقطۂ نظر سے) کی ایسی بازگشت کے بارے میں کوئی تردّد و تامل نہیں ہو سکتا جو ایک واحد

مفہوم اور تصور کو پیش کرتی ہے اور یہ وہی بات ہے جو فلسفہ اور قدیم و جدید منطق کی تمام کتابوں میں موجود ہے اور جس کا آج تک کسی نے انکار نہیں کیا اور یہ کوئی تعلق جمع بین ضدین سے نہیں رکھتی اور اب اگر یہ حضرات چاہتے ہیں کہ اس کا نام اپنی دانست میں "جمع بین ضدین" تجویز کریں تو وہ اس کے مختار ہیں۔

(۴) ـــــــ ان لوگوں نے تبدیلی اور انقلاب کے لیے جن تین مراحل کا ذکر کیا ہے وہ بھی بے بنیاد ہے۔ اس لیے کہ تین مخصوص مراحل کے تغیرات ہیں جو ایک اثبات (Thesis) اور دوسرا نفی در نفی (Synthesis) ہوتا ہے۔ یہ دو مرحلے ہرگز دکھائی نہیں دیتے بلکہ ہر حلہ اپنا اثبات اور دوسرے مرحلے کی نفی کرتا ہے اور جیسا کہ اس کی توضیح کی جا چکی ہے یہ خصوصیت تمام تبدیلیوں اور حرکات میں پائی جاتی ہے کہ ہر لمحے کا وجود اس کے اپنے عدم کے ساتھ بعد میں آنے والے لمحات کے ہمراہ ہوتا ہے۔

زیادہ واضح الفاظ میں ایک زندہ وجود اپنے ارتقا کی راہ میں ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے اور وہ بہت سے مراحل طے کرتا ہے اور ان میں سے ہر مرحلے کا اپنا ایک وجود ہوتا ہے جو قدرتی طور پر اس کے پہلے کے اور بعد کے مراحل سے مختلف ہوتا ہے۔ اس بنا پر ان خاص تین مراحل کا کوئی وجود نہیں پایا جاتا۔

د: چوتھے اصول کے بارے میں

چوتھے اصول جست یا دفعتہً انقلاب کے بارے میں بھی یہ بات تسلیم کی جانی چاہیئے کہ

اس کا منطقی تجزیہ بہت زیادہ ناقص ہے ۔ ان حضرات نے موجوداتِ طبیعی اور اجتماعی حادثات میں بعض غیر معمولی مثالوں کا مشاہدہ کر کے جن کی کوئی اہمیت نہیں انھیں اپنے ایک کلی اور عمومی نظریے کا سرچشمہ قرار دے دیا اور اکثر نظائر کو انھوں نے نظرانداز کر دیا۔

مثلاً وہ تبدیلیاں جو انسان کے اندر اس کے نطفہ بندی کے مرحلے سے لے کر موت کے وقت تک رونما ہوتی ہیں اور وہ ترقیاں جو ریاضی، طب، نفسیات اور ایسے ہی دوسرے علوم میں ظاہر ہوئی ہیں اور وہ تغیرات جو زمین، پہاڑوں اور سمندروں کے اندر واقع ہوئے ہیں اور وہ تبدیلیاں جو پودوں اور درختوں کی نشو ونما میں تمام مراحل میں وجود میں آتی ہیں یہ سب کی سب تدریجی عمل کی حامل ہوتی ہیں۔ اور ان میں بہت کم انقلاب یا تبدیلی کے لیے ایک بڑی کایاپلٹ کی صورت نظر آتی ہے اور اگر نظر بھی آتی ہے تو بہت کم۔

کیا صرف پانی کے بخارات میں تبدیل ہونے یا اس کے برف بن جانے کا مشاہدہ کر کے اور طوفانِ نوحؑ وغیرہ جیسے بعض واقعات کی مثالیں دیکھ کر ان کی بنیاد پر ایک ایسا کلیؔ وعمومی نظریہ وضع کیا جا سکتا ہے ؟

اس صورت میں اس کا نام "کمیت سے کیفیت میں تبدیلی" رکھنا غلط ہے صحیح بات یہ ہے کہ پانی میں حرارت یا ٹھنڈک کی ایک مقدار کا وجود میں آنا بھاپ بننے اور برف بننے کی کیفیت اپنے ساتھ رکھتا ہے ۔ بغیر اس کے کہ کسی تبدیلی کا دخل ہو۔

مختصر یہ کہ جارج پولیٹسر کے دعوے کے خلاف نہ صرف یہ کہ دنیا کے تغیرات اور حرکات میں دفعتہً انقلاب یا جست لگانے کے عمل کو کوئی عمومیت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تدریجی تغیرات کے مقابل انقلابی واقعات کی تعداد بہت کم ہے ۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کمیونسٹوں نے اس

اصول کو کمیونسٹ انقلابات کی توجیہ کے لیے وضع کیا ہے اور وہ اسے عالمی عمومی منطق اور اسباب وعلل کے حقیقی سلسلے کے مطابق بنا کر پیش کرتے ہیں اور وہ اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے کمزور پہلوؤں اور اس کی غلطیوں اور خامیوں کی ذمہ داری کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے قبول کر لیتے ہیں۔

لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ان تمام واضح غلطیوں کا ارتکاب محض ایک اشتراکی حکومت (خواہ وہ ایک اچھی حکومت کیوں نہ ہو) کے لیے جائز ہو سکتا ہے۔ جبکہ کمیونسٹ اپنے ساتھ نسلِ انسانی کے لیے بڑی بدنصیبیاں لے کر آتے ہیں۔

یہ ہے وہ مختصر تحلیل و تجزیہ اور غیر جانبدارانہ فیصلہ جو ہم نے ڈایلیکٹک کے اصول کے بارے میں دیا ہے۔

کمیونزم اور اخلاق

کمیونزم اور اخلاق

ضروری ہے کہ ہم اخلاق اور مذہب کے تعلق سے کمیونزم کے اثرات اور وسعت کا ایک علیحدہ بحث کے تحت جائزہ لیں ۔ اگرچہ کہ اخلاق اور مذہب کی اساس مشترک ہے لیکن ہم ان دونوں پر دو الگ الگ عنوانات کے تحت بحث کریں گے :

① ——— کمیونزم اور اخلاق ——— اور ———

② ——— کمیونزم اور مذہب

جیسا کہ آپ نے دیکھا ہم نے اخلاق کو مذہب سے الگ رکھا ہے ۔ جبکہ ہمارے عقیدے کے مطابق اخلاق کے رواج کا بہترین ضامن اور پشت پناہ دین اور صحیح مذہب ہے ۔ توحید اور آخرت کے بغیر اور مذہبی احکام کی پابندی کے بغیر اخلاق کی وہی حیثیت

ہے جو کسی بنیاد کے بغیر تعمیر کی جانے والی عمارت کی ہوتی ہے لیکن یہاں مذہب اور اخلاق کو اس لیے ایک دوسرے سے الگ کیا ہے تاکہ ہم اپنی بحث کو زیادہ مدلل بنا سکیں۔ حتیٰ کہ ان کے لیے بھی جو مذہب اور اخلاق کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ اخلاقی اصول کو کمیونزم سے کوئی مطابقت نہیں دی جاسکتی اور اگر اصول کمیونزم کو قبول کر لیا جائے تو اصول اخلاق کو تقریباً نظر انداز کر دینا ہوگا جو انسانی معاشرے کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔

افسوس کہ اصول اخلاق کے ساتھ کمیونزم کے رابطے کے بارے میں اب تک بہت کم بحث کی گئی ہے اور ایک مختصر رسالے کے سوا اور کوئی کتاب نہیں ملتی۔ یہ مختصر کتابچہ جو ایک حد تک مفید ہے پاکستان کے جناب ڈاکٹر محمد احسان اللہ خان نے لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ جناب سید غلام رضا سعیدی نے کیا ہے۔ اس رسالے کے سوا مجھے اور کوئی کتاب اس موضوع پر نہیں ملی۔ جب کہ یہ موضوع زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔

یہاں اس نکتے کا اعادہ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری بحث کا طریقہ اس بات کی اچھی طرح گواہی دیتا ہے کہ ہمارا مقصد ایک غیر جانبدارانہ تجزیے اور تحلیل کے ذریعہ ہر طرح کے تعصب سے الگ رہ کر علمی حقائق کو پیش کرنا ہے۔ سیاسی مقاصد کے تحت کیے جانے والے موجودہ دور کے پروپیگنڈے سے ہم نے خود کو الگ رکھا ہے۔

ہم نے کمیونزم پر جو کچھ اعتراضات کیے ہیں، انھیں کمیونزم کی مخالف آج کی سرمایہ دارانہ حکومتوں کے مکتبِ خیال کا حصہ نہ سمجھا جائے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام جو کمیونزم اور سرمایہ داری دونوں کی کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے، انسانی معاشرہ کے لیے ایک بہترین نظریہ اور طریق فکر و عمل کو پیش کرتا ہے۔

اور صرف اسلام کے نظریے اور اصول کے سائے میں ہی آج کے بین الاقوامی بحرانوں اور مشکلات کا صحیح حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر انسانی دنیا عظیم خطرات سے دوچار ہو جائے گی اور ان خطرات کو دور کرنے کے لیے جو کوششیں کی جائیں گی وہ بے نتیجہ ثابت ہوں گی۔

چند ضروری یاد دہانیاں

کمیونزم اور اصول اخلاق کے تعلق کا ذکر کرنے سے پہلے ہم بعض نکات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں:

۱۔ اخلاق کیا ہے؟

اخلاق سے مراد ایسی صفات اور عادات واطوار ہیں جو انسانی رُوح کو ایک کامل اور بلند سطح پر پہنچا دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی انسانیت کو زیادہ طاقتور بنا دیتے ہیں اور ایک اچھے کردار کا سرچشمہ بن جاتے ہیں یعنی وہ انسان کی رفتار و گفتار پر بڑا اچھا اثر ڈالتے ہیں اور بحیثیت مجموعی وہ انسان کی حقیقی اور اجتماعی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔

اس بات کی طرف بھی توجہ دی جانی چاہیئے کہ:

" اچھے اور برے اخلاق کے تعین کے لیے کسی استدلال اور فلسفے کی ضرورت نہیں ہوتی جس طرح انسان اپنے ضمیر کے ذریعے کمال اور نقص کا فرق معلوم کر لیتا ہے اسی طرح وہ دونوں طرح کی صفات کا جن میں سے

ایک کمال کی مصداق ہیں اور دوسری نقصان کی۔ وجدان
کے ذریعہ ان کا پتہ چلا لیتا ہے۔ مثلاً ہر شخص کسی دلیل
کے بغیر جانتا ہے کہ عدالت ایک اچھی صفت ہے اور
ظلم وستم بُری چیز ہے۔ دوسرے الفاظ میں پہلی چیز
انسان کے لیے کمال اور دوسری نقصان کا حکم رکھتی
ہے اور اس حقیقت کے جاننے کے لیے یہ معلوم
کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ ظلم نے معاشرتی
زندگی پر کیا اثرات ڈالے اور انصاف سے معاشرے
کو کیا برکتیں حاصل ہوئیں ——— ؟

۲۔ اخلاق صرف ذریعہ نہیں ہے

یہ بات درست ہے کہ نیک اخلاق اور اعلیٰ صفات ایسے عوامل
ہیں جو بہتر اجتماعی مفید اثرات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے لیکن صرف
اخلاق کو ان مفید اثرات کے حصول کا ذریعہ سمجھنا ایک بڑی غلطی ہوگی۔
ان اخلاق وصفات کا وجود خود انسان کی شخصیت کی تکمیل کا سبب بنتا ہے
اور اسی بنا پر اخلاق بذاتہ مطلوب ہیں جس طرح علم و دانش ہر حال میں
مطلوب ہوتے ہیں قطع نظر اس سے کہ ان سے انسانی زندگی پر اچھے
اثرات مرتب ہوتے ہوں یا وہ مسائل ومشکلات کو حل کرتے ہوں یا
ان کے ذریعہ انسان کی احتیاجات رفع ہوتی ہوں۔ اس لیے کہ علم و
دانش کلّی طور پر کمال انسانیت ہیں اور انسان کمال کا آرزومند ہوتا ہے
انسان نے علوم کی توسیع وتکمیل کے لیے اپنی ایک عمر صرف کردی ہے اور

وہ علم و دانش کے حصول میں حقیقتاً مصروف ہے۔ اس کی اس کوشش کے درمیان ہمیں ایسے علوم بھی نظر آتے ہیں جو ہماری روزانہ کی زندگی پر معمولی اثرات بھی نہیں ڈالتے مثلاً علم ہیئت اور نجوم کے بہت سے شعبے جو افلاک اور خلاء کے ایسے عوامل معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں جو ہم سے ہزاروں نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔ اسی طرح بہت سے جانداروں اور حشرات الارض جیسے چیونٹیوں وغیرہ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی جزئیات ہیں۔ انسان ان گہرائیوں میں اس لیے جاتا ہے کہ وہ ہر طرح کی دانش حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔

۳۔ انفرادی اور اجتماعی اخلاق

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق کا تعلق صرف انسان کے معاشرتی تعلقات سے ہے اور اخلاقی صفات کی تجلیاں صرف معاشرہ کے لیے مخصوص ہیں پھر اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر زمین پر کوئی انسانی معاشرہ موجود نہ ہو اور صرف ایک فرد اس پر زندگی بسر کر رہا ہو تو اس ایک فرد کے لیے اصول اخلاق بے معنی چیز ہوں گے۔

ہمارے نظریے کے مطابق یہ نقطۂ نظر بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگرچہ بیشتر اخلاقی اصولوں کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے ہے (عدالت، ظلم، رحم، محبت، تواضع، فداکاری، دوستی وغیرہ اسی نوع کی صفات ہیں) لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ اخلاق کا تعلق صرف انسان کے اسی اجتماعی پہلو سے ہے۔ اجتماعی روابط سے قطع نظر اخلاقی اصولوں کے ایک سلسلے کا تعلق انسان اور خدا کے درمیان رابطے

سے ہے جیسے تسلیم واطاعت، عاجزی اور شکر گزاری (اس صورت میں
جب کہ کوئی توحید کا عقیدہ رکھتا ہو) اسی طرح اخلاقی اصولوں کے ایک
سلسلے کا تعلق ان ذمہ داریوں سے ہے جو انسان پر خود اس کی اپنی ذات کے
بارے میں عائد ہوتی ہیں (اس صورت میں جب کہ وہ توحید پر عقیدہ نہ رکھتا
ہو) یہ سب انسان کی اخلاقی صفات کا حصہ ہیں —— یعنی،
اگر روئے زمین پر زندگی صرف ایک فرد کی ذات تک محدود
ہو اور وہ فرد مادہ پرست ہو تو اس صورت میں بھی وہ وجدان اور عقل
کی رو سے اس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ وہ زندگی کی مہلت سے استفادہ
کرے اور وہ علم و دانش حاصل کرے جس کا تعلق اس کی ذات اور دنیا
سے ہو۔ اس بنیاد پر اس کے اندر جد وجہد کا جذبہ، فرض کی ادائیگی کا
احساس اور علم و دانش کا شوق۔ یہ صفات اس شخص کے اخلاق فاضلہ
میں شمار ہوں گے اور اگر عقل کی رہنمائی اور وجدان کی آواز کو نظر انداز
کر کے وہ کاہلی اور غرور کی راہ اختیار کرے گا تو یہ بات اس کے رذائلِ
اخلاق میں شمار ہوگی۔ (غور کریں)
اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹیں گے۔

اخلاق اور کمیونزم کے روابط

بحیثیتِ مجموعی کمیونزم نے اصول اخلاق پر ناگوار اثرات ڈالے ہیں اور
اخلاق فاضلہ کی بنیاد کو (خواہ وہ اجتماعی اخلاق ہوں یا انفرادی) منہدم یا اُسے
کم از کم متزلزل کر دیا ہے۔ اخلاق پر کمیونزم کے یہ بُرے اثرات اتنے زیادہ پڑے

ہیں کہ ان کی وجہ سے کمیونزم کو ایک غیر اخلاقی نظریے کے طور پر پہچانا جانے لگا ہے۔

سرمایہ داری کے استحصال اور ناانصافیوں کے مقابل کمیونزم اپنے بارے میں جو واحد تاثر دیتا ہے وہ یہ ہے کہ:

اجتماعی ناانصافی اور ظلم کے ایک سلسلے کے خلاف
جو سرمایہ داری کا لازمہ ہے وہ جنگ میں مصروف ہے۔

لیکن اس بات کو کمیونزم کے غیر اخلاقی پہلوؤں کو چھپانے کے لیے ایک پردہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا اور انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (خصوصاً اس لیے بھی کہ کمیونزم خود اپنے نفاذ اور اپنے تحفظ کے لیے تجاوزات اور مظالم کے ایک سلسلے کا محتاج رہا ہے جو سرمایہ داری کے مظالم سے کسی طرح کم نہیں ہیں)

کمیونزم کی "خلافِ اخلاق" بنیادوں کا پتہ چلانے کے لیے نکات ذیل پر توجہ دینے کی ضرورت ہے:

۱۔ کمیونزم کے اخلاقی نقصانات

ڈایلیکٹک کے اصول کی رُو سے جو کمیونسٹوں کے افکار کی بنیاد اور ان کے مکتب فکر کی خاص منطق سمجھا جاتا ہے تمام اجتماعی حادثات اور واقعات (بلا استثنا) اقتصادی حالات اور پیداواری اداروں کی نوعیت کا نتیجہ ہیں۔ یہ بات پوری طرح محسوس اور ظاہر ہے کہ کمیونسٹ ماحول میں اخلاقی اصول انتہائی پریشان کن صورتِ حال سے دوچار ہوتا ہے۔

کیونکہ ڈایلیکٹک کا اصول ہم سے کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز مستقل، یکساں اور مقدّس نہیں ہے۔ ہر چیز بآسانی اپنی ضد میں تبدیل ہو سکتی ہے اور اس کا اپنی ضد میں تبدیل ہونا حتمی اور ضروری ہوگا۔ ہمارے پاس کوئی مستقل اور مقدّس حقیقت سوائے "اصول تغیّر" کے نہیں ہے۔

یہ طرز فکر اصول اخلاق کی بنیاد پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے وہ اخلاقی اصول کے تقدّس اور بنیادی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے اور انھیں عجیب نقصانات سے دوچار کر دیتا ہے۔ اس طرح اخلاقی فضائل اور صفات کہ جنھیں ہم انسانی شخصیت اور معاشرہ کے ارتقاء اور تکمیل کی علامت سمجھتے ہیں وہ سب کے سب قابل تغیر قرار پاتے ہیں اور خاص اقتصادی حالات کی پیداوار بن کر رہ جاتے ہیں اور ان حالات کی تبدیلی کے ساتھ وہ بھی تبدیل ہو جاتے ہیں اور اپنی جگہ ان دوسری چیزوں کے لیے خالی کر دیتے ہیں جو خود وقت آنے پر تبدیل ہو جائیں گی کیونکہ وہ نہ ابدی ہیں اور نہ مقدّس۔ اس اعتبار سے ممکن ہے کہ کل کے اخلاق رذیلہ آج کے اخلاق حسنہ قرار پائیں اور ایک بار پھر وہ آئندہ کے اخلاقی رذائل بن جائیں۔

اخلاق کے بارے میں یہ طرز فکر نہ صرف یہ کہ اخلاقی اصول کی قدر و قیمت مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے۔ بلکہ ایک بڑا بہانہ مفسد افراد کو فراہم کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے تمام اخلاقی رذائل کی "اخلاقی اصول کے تغیّر" کے قاعدے کے تحت توجیہ کریں اور اخلاق حسنہ کو "قدیم اور پرانے اصول" کا نام دے کر انھیں اپنے پیروں تلے روندنے کا سرٹیفکیٹ

حاصل کریں۔

اس عمل اور اس منطق کے بُرے نتائج ہمیں ان لاابالی اور روشن فکر افراد میں بھی نظر آتے ہیں جو کمیونسٹ نہیں ہیں لیکن کمیونسٹوں کی منطق سے متاثر ہو گئے ہیں۔ اصولِ اخلاق کو کمیونزم نے جو نقصان پہنچایا ہے اسے واضح کرنے کے لیے کمیونسٹوں کے اجتماعی طرزِ فکر کے چند نمونوں کو نقل کرنا بے جا نہ ہوگا۔

عالمی کمیونزم کا مشہور رہنما انجلس اپنے کتابچے "اصول کمیونزم" میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ کمیونسٹ معاشرہ کا ڈسپلن خاندانی زندگی پر کیا اثر ڈالتا ہے؟ کہتا ہے:

"یہ نظام مرد و زن کی دو صنفوں کے درمیان ارتباط کو جو دو افراد کے درمیان ایک بالکلیہ شخصی اور خصوصی ارتباط ہوگا اور معاشرہ کو اس ارتباط میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ بالکل تبدیل کر دیتا ہے (ذرا غور کیجیے) یہ کام کمیونسٹ نظام کی توسیع کے ساتھ انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ نظام شخصی ملکیت کو ختم کر دیتا ہے اور بچوں کو یکجا کر کے ان کی تربیت کرتا ہے۔ اس طرح سے آج کی ازدواجی زندگی کے دو اصول یعنی عورت کا مرد کے تابع ہونا اور بچوں کا ماں باپ سے منسوب اور متعلق ہونا جو شخصی ملکیت کا نتیجہ ہیں ختم ہو جائیں گے۔"

اس کتابچے میں مذکورہ بالا توضیح کے ضمن میں سرمایہ دار حضرات کے تمام اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے خصوصاً کمیونسٹ معاشرہ میں عورتوں کے مشترکہ ملکیت ہونے کے اخلاقی جواز پر اعتراضات کا بھی جواب دیا گیا ہے۔

آگے چل کر اس کتابچے میں یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ:

"درحقیقت یہ بورژوائی معاشرہ ہے جس میں تمام عورتیں تمام معنوں میں مشترکہ ملکیت ہیں۔ اس کی کامل مثال عصمت فروشی ہے اور عصمت فروشی کا انحصار خود شخصی ملکیت کے اصول پر ہے۔ اس اصول کے خاتمے کے ساتھ عصمت فروشی بھی ختم ہو جائے گی۔"[1]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کمیونسٹ اس بات کے معتقد ہیں کہ شخصی ملکیت کا طریقہ ختم کرنے سے عورت مرد کے روابط بالکلیہ طور پر بدل جائیں گے اور انجلس کی تعبیر کے مطابق یہ تمام معنوں میں ایک خصوصی رابطہ ہوگا جس میں معاشرہ کو مداخلت کا حق حاصل نہ ہوگا۔ یہ رابطہ طرفین کی خواہش پر قائم ہوگا اور اس رابطے پر معاشرہ کی طرف سے کسی طرح کی بھی قید و بند بے جا ہوگی۔

انجلس گویا ناجائز جنسی تعلقات کا اصل محرک، زیادہ آمدنی کو سمجھتا ہے اور اس بات کا معتقد ہے کہ شخصی ملکیت کے ختم ہونے سے یہ کاروبار بھی ختم ہو جائے گا حالانکہ حصول مال سے پہلے ناجائز جنسی

---

[1] اصول کیمونزم صفحہ ۴۷ - ۴۸

تعلقات کے اصل محرک سرکش جنسی جذبات ہیں جو افراد کو اس راہ میں اپنے ہاتھ کی کمائی لٹانے پر آمادہ کرتے ہیں۔

اس منطق کی بنیاد پر شخصی ملکیت کے خاتمے کے ساتھ عصمت فروشی ختم نہیں ہو جائے گی۔ کیونکہ اب بدکاری کے لیے کسی کو کوئی معاوضہ نہیں دینا پڑے گا۔ اس کے مفت مواقع حاصل ہوں گے۔ جنسی جذبات اور انحرافات چونکہ ہر حال میں باقی رہتے ہیں۔ انھیں ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے آج کا کمیونسٹ معاشرہ اور سرمایہ دار معاشرہ دونوں اس برائی میں مبتلا رہیں گے۔ ایک مفت اور بلا معاوضہ اور دوسرا معاوضہ ادا کر کے۔

زیادہ تفصیل میں جانے سے کہیں ہم اپنے اصل موضوع سے دور نہ ہو جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ اصول اخلاق کو دگرگوں کرنے کے اور اسے نقصان پہنچانے کے بُرے اثرات کمیونسٹ معاشروں میں ہر چیز میں اور ہر جگہ بتدریج ظاہر ہوں گے۔

۲۔ ہدف مقدس ہے یا ذریعہ

کمیونزم کے اصول کی رو سے ہدف تک پہنچنے کے لیے ہر طرح کے ذرایع استعمال کرنا جائز ہے اور بنیادی طور پر اخلاق کے معنیٰ و مقاصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ وہ "کمیونسٹ انقلاب" کی رفتار کو تیز کرے۔ ہم اس سلسلے میں "کوسیو لیٹر کی مختصر جنگ" نامی کتاب کا ایک چھوٹا لیکن پر معنیٰ فقرہ نقل کریں گے۔ یہ فقرہ ناقابلِ انکار اور واضح طور پر اس نظریے کو بے نقاب کرتا ہے۔

وہ فقرہ یہ ہے:

" ہر وہ چیز جو انقلاب کے لانے میں مدد کرے
وہ 'اخلاق' ہے "

اگر ہم " ہر وہ چیز " کے الفاظ پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ اس کے تحت کون کون سی چیزیں آتی ہیں تو اس وقت ہمیں ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوگا کہ کمیونسٹ ماحول کے اندر اصول اخلاق کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس منطق کے مطابق ھدف جس قیمت پر بھی حاصل ہو وہ جائز ہے، خواہ یہ تمام اخلاقی اصولوں کو پامال کرنے کی قیمت پر حاصل ہو۔ اس بنا پر، انقلاب کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے تہمت، جھوٹ، افترا پردازی، بے گناہوں کی خونریزی اور ایسے ہی دوسرے مظالم جہاں بھی ضرورت پیش آئے نہ صرف جائز ہیں بلکہ عین اخلاق ہیں۔

اس طرز فکر کے عملی شواہد کمیونسٹوں کے اندر اور ان کی تاریخ میں بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہنگری کے واقعات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کمیونسٹوں کے انقلابی اصول میں بھی یہ طرز فکر پوری طرح منعکس ہوتا ہے مثلاً انجلس، مارکس کے نام (کمیونسٹ دنیا کے دو مشہور رہنما) اپنے ایک خط میں پیرس کی کمیونسٹ پارٹی میں اپنی سرگرمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" بنیادی بات یہ تھی کہ انقلاب اور اس کا طاقت
کے ذریعہ لانا دونوں لازم وملزوم ہوں "

اپنے اسی خط میں ایک دوسرے مقام پر وہ وضاحت کرتا ہے کہ:

" ان مقاصد کے انجام دینے کے لیے کوئی ذریعہ

بجز اس کے نہیں کہ انقلاب کو ذریعہ بنایا
جائے اور انقلاب کو طاقت (جابرانہ) کے بغیر
تسلیم نہیں کرایا جا سکتا[1]"
آگے اسی کتابچے میں ہم پڑھتے ہیں کہ :
"کمیونسٹ انقلاب کی تکمیل اور اصل ہدف تک
پہنچنے کے لیے ان طریقوں پر عمل کرنا ضروری
ہے ......"
اور وہ طریقے نمبر وار گنائے گئے ہیں ۔
طریقہ نمبر ۳ کے تحت لکھا گیا ہے کہ :
" وہ تمام لوگ جو ملک چھوڑ کر چلے گئے ہیں ان
کے اموال ضبط کر لیے جائیں ....."
طریقہ نمبر ۱۱ کے تحت لکھا گیا ہے :
" تمام جائز و ناجائز بچے حق وراثت میں برابر کے
حق دار ہوں ...[2]"

یہ بات ظاہر ہے کہ اخلاق فاضلہ کا تقدس واحترام اس
طرز فکر کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتا ۔ اصول اخلاق ہم سے یہ
کہتا ہے کہ کسی مقدس ہدف کے حصول کے لیے جائز اور قانونی ذرائع
کو استعمال کرنا چاہیے مثلاً عام لوگوں کے لیے ایک شفا خانے کی تعمیر
کے لیے جو انسانی اخلاق کا مظہر ہو، غصب شدہ اجناس کی فروخت سے

---

[1] اصول کمیونزم صفحہ ۳۱-۳۲

[2] اصول کمیونزم صفحہ ۳۶-۳۷

روپیہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

مختصر یہ کہ ایک اخلاقی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اخلاق کو قدموں تلے نہیں روندنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں اس قدر ہی کہنا کافی ہے۔ کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ اخلاق مادّیت کے چنگل میں

چونکہ میٹیریلزم (مادہ پرستی) کمیونزم کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے اسی لیے وہ تمام مادہ پرست مکاتب فکر کی طرح انسان کی قدر و قیمت کو حیوانات کی سطح تک گرا دیتا ہے۔ انسانی معاشرہ کے لیے اس کی نظر میں آخری ہدف، مادی طور پر معاشرہ کی بہبود ہے (یعنی روٹی، پانی، صحت اور ثقافت کا اتنا فروغ کہ صحت، روٹی اور پانی کے مسائل حل ہو سکیں)

مجلّہ دنیا کے پہلے دور کے لکھنے والوں کے مطابق (ڈاکٹر ارانی اور ان کے ہم فکر) کمیونسٹوں نے اس بڑی خلیج کو پُر کر دیا ہے جو انسان اور تمام حیوانات کے درمیان پائی جاتی تھی۔ ظاہر ہے یہ کہنے سے ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کمیونسٹوں نے جنگل کے حیوانات اور جانوروں کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ انسان کو اس کے ممتاز مقام سے گرا دیا ہے۔ کمیونسٹوں کے مطابق انسان کا یہ بلند مقام محض خیالی ہے جبکہ ہمارے عقیدے کے مطابق اس کا یہ مقام واقعی اور حقیقی ہے۔

جو معاشرہ ان افکار کی بنیاد پر اور ایسے "بلند مقاصد"

کی بنیاد پر تعمیر ہو گا۔ ایک روز وہ تباہی کی گہرائیوں میں جا گرے گا، جو لوگ شکم کے تنور کو گرم رکھنے کو انسانی معاشرہ کا بلند ترین ہدف قرار دیتے ہیں ان کے ہاتھوں اخلاقِ فاضلہ جیسے فداکاری، ایثار، شفقت، انسان دوستی اور پرہیزگاری کا کیا حشر ہو گا۔ بخوبی ظاہر ہے۔

۴۔ اخلاق اور جبر پر یقین

آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جبر و اختیار کے مسئلے میں مادہ پرست فلاسفہ، جبر کے طرفدار ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ عالمِ فطرت میں رونما ہونے والا ہر واقعہ جبری اسباب و علل کے ایک سلسلے کے تحت رونما ہوتا ہے اور اس میں اختیار و ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی تمام حرکات اور اس کے افعال ایک طبعی اسباب کے سلسلے کے مطابق (خواہ یہ عوامل انسان کے وجود کے اندر ہوں یا اس کے وجود کے باہر) وقوع پذیر ہوتے ہیں اور انسان کا یہ سوچنا اس کی بڑی غلطی ہے کہ ان میں اس کے ارادے اور اختیار کا بھی کوئی دخل ہے۔

ایران کی کمیونسٹ پارٹی کے سابق رہنما ڈاکٹر ارانی نے "جبر و اختیار" اور نظریۂ جبر کے اثبات اور نظریہ اختیار کے ردّ میں اور "امر بین الامرین" کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جو مجلّہ "دنیا" کی مطبوعات کا ایک حصّہ بن کر شائع ہو چکا ہے۔

جبر کے نظریے پر یقین نہ صرف یہ کہ ایک واضح فکری گمراہی ہے جس کے غلط ہونے کو ہر شخص اپنے وجدان کے ذریعے معلوم کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ اخلاقِ فاضلہ کی اساس پر ایک ایسی ضرب لگاتا ہے جس

کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تمام مکاتب اخلاق اور خصوصاً بڑے آسمانی مذاہب ہر چیز سے پہلے انسان کو مسئلہ اختیار کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اسے سمجھاتے ہیں کہ اس کی سعادت وشقاوت مکمل طور پر اسی کے ہاتھوں میں ہے۔

یہاں ہم ان کاری ضربوں کا ذکر کریں گے جو جبر کا عقیدہ اصولِ اخلاق کی بنیادوں پر لگاتا ہے۔

(۱) —— عقیدہ جبر، "منزل کمال" کو انسان کے اختیار سے باہر سمجھتا ہے۔ اور انسان کے دل میں "عشق کمال" کو سرد کر دیتا ہے۔

(۲) —— جبر کا عقیدہ تمام گناہوں اور آلودگیوں کو قابل قبول سمجھتا ہے اور اسی لیے وہ انسان کو اپنی ذمہ داریوں سے غافل اور رذائلِ اخلاق کے بارے میں بے حس بنا دیتا ہے۔

(۳) —— جبر کا عقیدہ انسان کی قدر وقیمت کو طبیعی اسباب کی سطح تک گرا دیتا ہے۔ جیسے آگ کا بھڑکنا اور بلندی سے پتھر کا پستی کی طرف لڑھکنا۔

(۴) —— جبر کا عقیدہ اچھوں کی اچھائی کو ستائش کے قابل اور بروں کی برائی کو مذمت کے قابل نہیں سمجھتا کیونکہ وہ ہر دو کو اپنے انجام کار میں مجبور سمجھتا ہے اور اخلاقی فضائل کے ارتقا وتکمیل کو ان عقائد سے جو نقصان پہنچتا ہے اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں

—— • ——

۵- کمیونزم کے پیدا کردہ اخلاق کوئی اخلاقی قدر و قیمت نہیں رکھتے

کمیونسٹوں کا عقیدہ ہے کہ وہ کمیونزم کے اصولوں کو نافذ کر کے سب سے بڑے اخلاقی اصول یعنی سماجی انصاف کو رائج کرتے ہیں اور ظالموں کو ظلم سے باز رکھتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ کمیونسٹ فی الواقع ظلم اور سلبِ آزادی کے ذریعہ ظلم و ستم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بالفرض اگر ہم ان کے اس دعوے کو تسلیم بھی کر لیں تو ایک جابرانہ حکومت کے ذریعہ انصاف کا نفاذ معاشرہ کے افراد کے لیے کسی اخلاقی قدر و قیمت کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی شخص کو تلوار کے بل پر لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور انصاف کے اصول پر عمل کرنے کے لیے مجبور کیا جائے تو ایسا شخص مجبوراً یہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جائے گا لیکن انصاف کی روح جو اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہے اس کے اندر پیدا نہ ہو گی اور اگر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے ان چیزوں کی عادت ہو جائے تو ایسی عادت جو کسی جبر کی بنا پر پیدا ہوئی ہو اخلاقی قدر و قیمت کی حامل نہیں ہو گی (اگرچہ اس کے بالکل نہ ہونے سے اس کا ہونا بہتر ہے) اس بات پر غور کیجیے۔

۶- مقتدر افراد کا اخلاقی انحراف

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ چند افراد کے ہاتھوں میں سیاسی طاقت کا آجانا کمیونزم کے خواص میں سے ایک خاصیت ہے۔ ایک جماعتی نظام

حکومت کمیونسٹوں کے سیاسی اصول کا ایک حصہ ہے جس کی رو سے تمام طاقتیں ایک پارٹی کے ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ عظیم سیاسی طاقت کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھوں سے نکل کر پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے ہاتھوں میں اور پھر اس کے سکریٹری جنرل اور اس کے حاشیہ نشینوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے اور کمیونسٹ نظام کے سخت قواعد و ضوابط کی بنا پر یہ سیاسی طاقت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

اسی بنا پر کمیونسٹ مقتدر رہنما، عجیب اور افسانوی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں اور ان کا غیر کمیونسٹ ممالک کے معاشروں میں موجود سیاسی طاقتوں کے ساتھ کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس چیز نے اخلاقی برائیوں کے ایک سلسلے کو ان کے اندر پیدا کر دیا ہے اور وہ پروان چڑھتا رہتا ہے۔ جیسے غیر معمولی نخوت اور غرور، شدید بدگمانی، استبداد اور دوسروں کے استدلال اور منطق کو اہمیت نہ دینا، مشکلات و مسائل کے حل کے لیے طاقت کا استعمال اور اپنے مقام و مرتبہ کی حفاظت کے لیے ہر طرح کے ذرائع کا استعمال، بے رحمی اور سنگدلی کی ایسی ہی دوسری چیزیں [1]

---

[1] مثال کے طور پر اسٹالن کا نام لیا جا سکتا ہے کہ ایک وقت اسے عالمی محنت کشوں کے باپ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا تھا اور آج خود اس کا ساتھی کامریڈ خروشیف اس کے سیاہ دورِ حکومت کے جرائم اور برائیوں پر سے پردہ اٹھا رہا ہے۔ چونکہ آپ سب اس بارے میں کم و بیش اطلاعات رکھتے ہیں ہم خروشیف کے بیانات کو یہاں نقل کرنے سے احتراز کریں گے البتہ آپ کو یہ معلوم ہے کہ کامریڈ خروشیف خود اس کے جرائم میں شریک اور اسٹالن کا مخلص رفیق کار رہا ہے۔

بہت سی سیاسی شخصیتوں اور مقتدر افراد میں یہ صفات دکھائی دیتی ہیں لیکن ان میں اقتدار اور طاقت کی کمی وبیشی کے مطابق شدت اور کمی آتی رہتی ہے ۔ ہم نے کمیونزم کی تاریخ کو پڑھ کر جو کچھ سیکھا ہے اس نے ہمارے اس یقین میں اور پختگی پیدا کر دی ہے ۔

یہ تھیں وہ اصولی باتیں جو اخلاق کے ساتھ کمیونزم کے تضاد کو ہم پر ثابت کرتی ہیں ۔

کمیونزم اور مذہب

کمیونزم اور مذہب

بلاخوفِ تردید ہم نے اب تک کمیونسٹوں کے فلسفے اور طرزِ منطق کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ کمیونزم اور اخلاق کے روابط کے بارے میں بیان کیا ہے وہ ہمیں اس بات سے بے نیاز کر دیتا ہے کہ ہم مذہب کے بارے میں کمیونسٹوں کے طرزِ فکر پر کوئی لمبی چوڑی بحث کریں۔ اس کے باوجود ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل دو موضوعات پر اختصار کے ساتھ اظہارِ خیال کریں۔

(۱) ——— مذہب کے بارے میں کمیونسٹوں کا اصولی اور فلسفیانہ طرزِ فکر۔

(۲) ——— مذہب کے خلاف جنگ میں ان کا طرزِ عمل۔

پہلے موضوع کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ اصولی طور پر کمیونزم کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک موجود حقیقت یا ایک مفید عقیدے کی حیثیت سے مذاہب و ادیان

کی قدر وقیمت کا قائل ہو یا کم از کم انھیں قابل احترام سمجھے۔ ان دونوں کے درمیان اس قدر تضاد اور بُعد ہے جس قدر مخالف قطبوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔

ہمارے اس بیان میں کوئی غلو اور مبالغہ نہیں ہے۔ ہم نے ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اصولی طور پر مذاہب اور کمیونزم کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا نقطۂ اشتراک تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ کس قدر غلطی پر ہیں جو ان دونوں کے درمیان اتفاق اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس بارے میں صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ یہ کہ کمیونسٹ اپنے اصولِ عقائد پر (جن پر وہ آسمانی وحی سے بھی زیادہ یقین رکھتے ہیں) بالکلیہ طور پر نظر ثانی کریں اور اصول ڈایلیکٹک کو خود اپنے بارے میں نافذ کریں اور کمیونزم کے اصولوں کو تدریجًا ان کی ضد (Antithesis) میں تبدیل کریں .... البتہ اس صورت میں کمیونزم باقی نہیں رہے گا۔

مختصر یہ کہ کمیونزم کے موجودہ اصولوں اور مذاہب کے درمیان ایک واضح تضاد پایا جاتا ہے۔ اس تضاد کے اصل نکات کا ہم یہاں سلسلہ وار ذکر کریں گے:

(۱) ——— جیسا کہ ہم نے بار بار اشارہ کیا ہے کہ کمیونسٹ فلسفہ کے اصل ارکان میں سے ایک "میٹریلزم" یعنی مادیت ہے جو ہر قسم کے مذہبی اعتقاد سے ٹکراتا ہے۔ ایتھزم کا یہی وہ پہلو ہے جو کمیونزم کے فلسفہ میں الحاد اور خدا کے انکار کو شامل کرتا ہے۔

(۲) ——— کمیونسٹ اپنے گمراہ کن عقیدے کے مطابق تمام اجتماعی واقعات کا سببِ اصلی اقتصادی حالات کو قرار دیتے ہیں اور وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ معاشرہ کی اقتصادی حالت کی تبدیلی کے ساتھ معاشرہ کی تمام چیزیں بدل جائیں گی۔ اور واضح

طور پر کہتے ہیں کہ مذہب اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ جیسا کہ "انجلس" اپنے کتابچے "اصول کمیونزم" میں تیئسویں[۲۳] سوال "کمیونسٹ نظام موجودہ مذاہب کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟" کے جواب میں کہتا ہے:

"کیا اس بات کو جاننے کے لیے بہت زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے کہ اقتصادی زندگی کے روابط میں تبدیلی کے ساتھ تمام عقائد و افکار مختصر یہ کہ معاشرہ کا وجدان ہی تبدیل ہو جاتا ہے؟.... .... اس زمانے میں جب قدیم دنیا ختم ہو گئی تو قدیم مذاہب نے بھی مسیحی مذہب کے ہاتھوں شکست کھالی۔

اٹھارویں صدی میں جب مسیحی مذہب جدید افکار کے زیر اثر آیا تو جاگیر دارانہ معاشرہ اس زمانے کی انقلابی سرمایہ داری کے ساتھ موت و زندگی کی جنگ میں اُلجھ گیا۔ اس وقت وجدان کے صفحے پر ایک ہی چیز مرتسم تھی اور وہ "آزاد مسابقت" تھی (غور کیجیے) کمیونسٹ انقلاب قدیم ملکیت کے رابطے کو منقطع کرنے کے لیے ایک بنیادی ضرب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی کہ کمیونسٹ انقلاب تمام قدیمی عقائد کے ساتھ موجود رابطے کو قطع کر دے۔!"

یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ کمیونسٹ نظام کے ہاتھوں ملکیت کی صورت حال میں تبدیلی کے بعد گزشتہ تمام عقائد فراموش کر دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح کی بات "مینی فیسٹو" (کمیونسٹ پارٹی کا اعلان جو مارکس اور انجلس کے ذریعہ ترتیب دیا گیا۔) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ہم نے اپنی سابقہ بحثوں میں اس نظریے کے بے بنیاد اور کمزور ہونے کو پورے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اقتصاد و معاش کا مسئلہ تمام چیزوں کا محور ہے۔

اس بات سے قطع نظر کہ ایک طاقتور معاشرہ فی الحال اس طرح کے عقائد کا حامی ہے۔ (البتہ مختلف اعتبار سے یہ عقاید جبراً مسلط کیے جانے کا پہلو رکھتے ہیں) تاہم اس طرح کا طرز فکر اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتا کہ وہ بحث کا موضوع بن سکے۔

کیا یہ بات بحث کی محتاج ہے کہ انسان اپنی عقل و فکر کی مدد سے علمی اور فلسفیانہ حقائق (ان میں خدا کے وجود کا مسئلہ بھی شامل ہے جسے سمجھنے کے لیے پورے عالم فطرت میں عقل اور قدرت کی نشانیاں موجود ہیں) کا ادراک کرتا ہے جن کا کمترین تعلق اقتصادی صورت حال سے نہیں ہے۔

(۳) ——— کمیونسٹ (اکثر مادہ پرستوں کی طرح) اس بات کے معتقد ہیں کہ مذاہب کا تعلق انسان کے ابتدائی دور سے ہے۔ اس وقت انسان کی فکر نے کافی ترقی نہیں کی تھی اور وہ طبعی اسباب اور علل کے روابط سے ناواقفیت کی بنا پر ہر واقعہ کے بارے میں یہ سمجھتا تھا کہ اس کو رونما کرنے والی طاقت کوئی ما فوق الفطرت طاقت ہے

لیکن اب طبیعی علوم کی ترقی اور فطری اسباب کے انکشاف کے بعد ایسی کسی طاقت کو ماننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ کمیونسٹوں کی تحریروں میں اکثر یہ بات ملتی ہے کہ :

"فلاں موضوع کی علمی تفسیر تو یہ ہے البتہ اس کی مذہبی تفسیر کچھ اس طرح کی ہے۔"

انجلس اپنی مخصوص بے پرواہی کے ساتھ واضح طور پر کہتا ہے :

"دین و مذہب انسان کی کوتاہ اور محدود عقل کا نتیجہ ہے[۱]"

البتہ یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ اس گروہ کے لوگ جب بھی دین و مذہب کا نام لیتے ہیں تو زیادہ تر ان کے پیشِ نظر مسیحیت کا موجودہ مذہب ہوتا ہے جو موہومات اور خرافات کا مجموعہ بن چکا ہے جیسا کہ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ان حضرات کے کانوں تک اسلام کا نام تک نہیں پہنچا ہے یا کم از کم وہ اسلامی عقائد و نظریات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں رکھتے۔ مذہب کے بارے میں ان کے اس طرح کے بیانات کا براہ راست ہدف مسیحیوں کا موجودہ مذہب ہے۔ لیکن بہر صورت عمومی طور پر تمام مذاہب ان کا ہدف قرار پاتے ہیں

کمیونسٹوں کے طرزِ فکر کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ

---

[۱] اصول مقدماتی فلسفہ۔ جارج پولیسٹر صفحہ ۲۷

انھوں نے حقیقت کو بالکل الٹا سمجھا ہے۔ اس طرح کہ اگر ہم ان کی عبارتوں میں " مذہب " کے لفظ کی جگہ " مادہ پرستی اور الحاد " لکھ دیں تو بات بالکل درست اور صحیح ہو جائے گی۔

توحید کی بحث میں جیسا کہ بڑی وضاحت سے کہا گیا، دنیا کے خدا پرست علوم کی ترقی کے قدم بقدم آگے بڑھتے رہے ہیں اور طبیعی علوم کے ماہرین کی اسرارِ فطرت کے پتہ چلانے میں کامیابی دراصل خدا پرستوں کی کامیابی سمجھی جاتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خدا شناسی کی سب سے زیادہ مطمئن کرنے والی مضبوط دلیل وہ حقائق ہیں جو علوم طبیعی کی مدد سے فطرت کے حیرت انگیز اسرار کے بارے میں ہم پر منکشف ہوئے ہیں اور وہ حقائق بھی ہیں جن کا تعلق عالم ہستی کی موجودات کے عجیب روابط سے ہے۔

ان حقائق کا مطالعہ ہی ہے جو ہمیں علم و قدرت کے اس سرچشمے کی بہت زیادہ ثناخوانی پر مجبور کرتا ہے جو ان حقائق کا موجد ہے۔

اسی لیے توحید کی بحث میں ہم نے زیادہ تر انحصار جدید سائنسی اکتشافات پر کیا ہے اور مادہ پرستوں کے مقابل ہمارا بہترین ہتھیار علوم اور سائنس ہے۔ عقل و شعور سے محروم اور اندھے بہرے مادی فطری اسباب کو یہ مادہ پرست اس دنیا کا پیدا کرنے والا اور اس کا انتظام کرنے والا قرار دیتے ہیں[1]

---

[1] اس موضوع پر مفصل بحث فارسی کتاب " آفریدگار جہان " میں کی گئی ہے۔

درحقیقت یہ میٹیریلزم (مادیت) جس کی بنیاد جہالت اور غفلت ہے ۔ اس کائنات کے اسرار سے جہالت و غفلت اور اس بڑی حقیقت سے بے اعتنائی جس کی یہ اسرار کائنات خبر دیتے ہیں ۔

یہ علوم کی ترقی ہے جو ہمیں اس بات کا موقع فراہم کرتی ہے کہ ہم ایک بال یا ایک پتے یا ایک آنکھ کے میکنیزم ، (ساخت اور نظام) کا مطالعہ کرکے زندگی اور تخلیق کے اس عظیم سرچشمے سے آشنا ہوں ۔

وہ زمانہ گزر گیا جب دنیا کے خدا پرستوں سے یہ احمقانہ بات منسوب کی جاتی تھی کہ وہ تمام فطری واقعات کو بغیر کسی واسطے کے خدا سے نسبت دیتے ہیں اور طبیعی اسباب کے انکشاف کو خدا پرستی کے عقیدے کے خلاف سمجھتے ہیں ۔ عالمِ اسباب پر اور طبیعی علل کی موجودگی پر یقین نہ صرف یہ کہ ایک ایسی واضح اور روشن حقیقت ہے جس کو بچہ بھی (اپنی فہم کے مطابق) سمجھ لیتا ہے بلکہ یہ خدا شناسی کی راہ میں خدا پرستوں کا ایک بہترین ہتھیار ہے ۔

آج ہم یہ باتیں علوم طبیعی کے مشہور عالم اور دانش مند "نیوٹن" کی زبان سے سن سکتے ہیں :

"کان کی ساخت اور نظام کا جب ہم مشاہدہ و مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا آواز کے متعلق قوانین کو بخوبی سمجھتا ہے اور آنکھ کا بنانے والا نور اور بصارت

کے متعلق پیچیدہ قوانین کو خوب جانتا ہے۔ افلاک
کے بے پایاں نظام سے ہم اس بڑی حقیقت سے
آشنا ہوتے ہیں جو اسے چلا رہا ہے[1]"

اس طرح کی باتیں ہم سائنس دانوں اور ماہرین طبیعیات
کی زبان سے اس قدر سنتے رہے ہیں کہ ان کے عادی ہو چکے ہیں۔

۴ مذہب اور معیشت کے ارتباط کی توجیہ

کمیونسٹ حضرات مذاہب کو مادی رنگ دینے کی خاطر
انھیں اقتصادی اسباب کے سلسلہ سے مربوط کرتے ہیں اور وہ
کہتے ہیں:

"پوری انسانی تاریخ کو طبقات کی جنگ تشکیل
دیتی ہے اور اس ہمہ گیر جنگ میں دولت مند
اور استحصال کرنے والا طبقہ مزدوروں کے
استحصال کے لیے مختلف حربے استعمال کرتا رہا
ہے۔ ان میں سے ایک حربہ مذہب بھی ہے،
مزدوروں کو اپنے حقوق سے باز رکھنے کے
لیے اور انھیں اپنی محرومیوں پر راضی رکھنے کے
لیے سرمایہ داروں نے ان کے درمیان مذہبی
افکار کو فروغ دیا تاکہ وہ مذہبی عقائد کے سائے

---

[1] دائرۃ المعارف فرید وجدی

ہیں (ان ہیں قضا و قدر کا عقیدہ بھی شامل ہے)
محرومیوں کو ایک ایسی چیز سمجھیں جو ان کے لیے مقدر
ہو چکی ہے اور آسمان سے نازل ہوئی ہے اور اس
سے کوئی مفر نہیں ہے اور یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ ان
محرومیوں پر صبر کرنا باعث ثواب ہے۔ اس طرح وہ
محنت کش طبقے کو مذہب کی افیون کھلاتے ہیں"۔

روسی دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) جلد ۱۸، صفحہ ۳۱۶
پر اس طرح لکھا گیا ہے:

"دوسرے تمام مذاہب اور ادیان کی طرح اسلام
بھی استحصال کرنے والوں کی طرف سے وجود میں
آیا اور اپنے روحانی اثر و نفوذ کے ذریعہ اس نے
مزدوروں اور عام لوگوں کو اپنا مطیع بنا لیا"۔[۱]

"اور اگر کمیونسٹوں کے فکری رہنما مارکس نے مذہب
کو لوگوں کے لیے افیون قرار دیا تو اس کا اشارہ
بھی اسی جانب تھا"۔[۲]

یہ حضرات مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"محنت کش طبقے کو چونکہ ایک ایسی چیز کی ضرورت
تھی جو انھیں ان کی محرومیوں پر تسلی دے اس

۱۔ اسلام روس میں صفحہ ۲۳

۲۔ تاریخ فلسفہ ہای سیاسی صفحہ ۹۴۳

لیے اس نے اس طرح کے عقائد کا استقبال کیا۔"

کمیونسٹوں نے مذکورہ بالا مطالب کی توضیح کے لیے بہت سی باتیں کی ہیں، ان تمام کا یہاں ذکر کرنا ایک لاحاصل تکرار ہے۔ مذاہب کے بارے میں ان کے خیالات کا خلاصہ وہی ہے جو ہم نے پیش کر دیا ہے۔

کمیونسٹوں کی تاریخِ انبیاء سے بےخبری
اور
ان کی تعلیمات سے ناواقفیت

یہاں دو موضوعات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے :

① ——— یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے کہ کمیونسٹوں اور اصطلاحاً ان کے فکری رہنماؤں نے پیغمبروں کی سیرت و تاریخ کا ذرا بھی مطالعہ نہیں کیا اور ان کی تعلیمات کے اصولوں کا بھی کوئی باقاعدہ مطالعہ نہیں کیا اور مذہب کے بارے میں ایک رائے قائم کرلی۔

جب ہم مذاہب کی موجودہ تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کمیونسٹوں کے دعووں کے بالکل برخلاف حقائق کا علم ہوتا ہے ۔ انبیاء کی سیرت و تاریخ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے طاقتور اور ظالم دولت مند طبقات کے خلاف جنگ کی اور ان کی لڑائیاں عموماً فرعونوں، نمرودوں، ابوسفیانوں اور ان جیسوں کے خلاف تھیں۔ قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جد و جہد کے بارے

میں واضح طور پر کہتا ہے:

"فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو (خدمت کے لیے) جیتا رہنے دیتا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انھیں پیشوا بنا دیں اور انھی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں۔"

(قرآن۔ آیت ۴، ۵ سورۂ قصص)

پھر قرآن نوحؑ کے بارے میں کہتا ہے کہ ان کی مال دار قوم جو ان کی منکر ہو گئی تھی۔ نوحؑ سے کہتی تھی:

"جواب میں اس کی قوم کے سردار جنھوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کیا تھا بولے: ہماری نظر میں تو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بس ایک انسان ہو ہم جیسے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل (کمین و پست) تھے بے سوچے سمجھے تمھاری پیروی اختیار کر لی ہے۔"

(سورۂ ہود آیت ۲۸)

دوسرے مقام پر قرآن مجید پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کی ہدایت دیتا ہے :

" اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو کیا تم دنیا کی زینت کو پسند کرتے ہو ؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے ۔

(سورہ کہف آیت ۲۸)

مختصر یہ کہ قرآن کلی طور پر یہ کہتا ہے :

" کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ " جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے " ۔ انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں ۔ "

(سورہ سبا آیت ۳۴ - ۳۵)

اسی بنا پر انبیاء کی جد و جہد استحصال کرنے والے طبقات کے خلاف ہمہ گیر انقلابات کے ہمراہ رہی ہے (یہ نہیں کہ ان کی

جدوجہد اسی مقصد کی خاطر رہی ہو۔انبیار کی تعلیمات نے گمراہیوں کے خلاف جدوجہد کو اپنی بنیاد قرار دیا تھا۔اس لیے وہ اپنے اندر یہ خصوصیت بھی رکھتی تھیں)

انبیار کی تعلیمات کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ وہ ہر طرح کے غلط سماجی امتیازات کے خلاف سخت جدوجہد کا اصول دیتی ہیں، ان زمانوں میں جب اشراف اور مال دار لوگ خود کو ایک ممتاز طبقہ قرار دیتے تھے اور عام لوگوں پر نافذ ہونے والے قوانین سے خود کو مستثنیٰ قرار دیتے تھے تو اللہ تعالےٰ کے انبیار نے ایسے تمام امتیازات کو منسوخ قرار دے دیا تھا اور یہ اعلان کردیا تھا کہ آسمانی قوانین اور مذہبی واجتماعی ذمہ داریوں میں سب لوگ برابر اور مساوی ہیں۔

انبیار کی بنیادی تعلیمات میں یہ بات شامل ہے کہ استحصال کرنے والے طاقتور طبقے کے نظام کو توڑ پھوڑ دیں۔ انبیار اور اولیار نے لوگوں کو یہی تعلیم دی ہے کہ

"وہ نہ کسی پر ظلم کریں اور نہ کسی کے ظلم کی چکی میں خود کو پسنے دیں۔مظلوموں کے دوست اور ظالموں کے دشمن بن کر رہیں۔"

(نہج البلاغہ)

مذہبی رہنماؤں کی تواریخ اور تعلیمات سے ہم نے یہ مختصر مثالیں پیش کی ہیں۔کمیونزم کے ظہور سے ہزار سال پہلے یہ بہترین نمونے پیش کیے جاچکے ہیں۔ہم انبیار کی سیرت اور کمیونزم، ان دونوں کا جس قدر مطالعہ کریں گے اسی قدر ہم پر کمیونزم کے دعووں اور تعلیمات کا

بے بنیاد ہونا واضح ہوتا چلا جائے گا۔

ہم ایک بار پھر اس بات کا اعادہ کریں گے کہ ہم نے یہ باتیں اس لیے نہیں کی ہیں کہ اس طرح کی باتوں کی ایک مقتدر اور طاقتور گروہ کی طرف سے آج حمایت کی جاتی ہے۔ اگر ایسا کوئی خیال ہمارے ذہن میں ہوتا تو ہم اس بحث کی چنداں اہمیت کے قائل نہ ہوتے۔

(۲) ——— قضا و قدر اور صبر کے بارے میں کمیونسٹوں نے خدا پرستوں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے قضا و قدر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ظلم و ستم، گمراہیوں اور انحراف کے مقابل خاموش بیٹھا رہے اور سپر انداز ہو جائے اور انھیں مقدراتِ الٰہی کا حصہ سمجھ کر صبر کرے کیونکہ انبیاء نے ایسی کسی بات پر عمل نہیں کیا ہے انھوں نے تو اس طرح کے معاملات کے بارے میں جد و جہد کی راہ اختیار کی ہے۔

قضا و قدر سے اصل مراد یہ ہے کہ ایک دین دار شخص کو ——— "غیر اختیاری واقعات کے مقابل اور ایسے تمام معاملات میں جو اس کی حدِ اختیار سے باہر ہوں رضا و تسلیم کا رویّہ اختیار کرنا چاہیے اور زبانِ شکایت دراز نہ کرنی چاہیے۔" (قضا و قدر کے یہ سادہ معنیٰ ہیں ورنہ فلاسفہ اور دانشوروں کی علمی بحثوں کے تحت اس بارے میں بہت زیادہ تحقیقات کی گئی ہیں)

البتہ وہ معاملات جو انسان کے حدودِ اختیار میں ہیں اور انسانی دسترس میں ہیں، ایسے معاملات میں خاموشی اور سپر اندازی کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ ان میں کوشش اور جد و جہد کے سوا اور کوئی

طرزِ عمل تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ہم قرآن میں بار بار پڑھتے ہیں:

"ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے۔"

(آیت ۳۸ سورہ مدثر)

اور یہ کہ:

"انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔"

(آیت ۳۹ ۔سورہ نجم)

بنیادی طور پر انبیاء کی تعلیمات کی اساس فرض و ذمہ داری پر ہے اور ادائیگیٔ فرض کا انحصار انسان کے استقلالِ ارادہ اور آزادیٔ عمل پر ہے۔ کمیونسٹوں نے قضا و قدر کے بارے میں جو رائے قائم کر رکھی ہے وہ انبیاء کی تعلیمات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔

اسی طرح صبر کا معاملہ ہے۔ مذہبی تعلیمات و ہدایات میں اس کا بہت زیادہ ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسروں کے ظلم و ستم کے مقابل سکوت کے معنوں میں نہیں کیونکہ یہ سکوت دینی تعلیمات کی رو سے "جرم اور گناہ" سمجھا جاتا ہے۔ دینی تعلیمات کی رو سے صبر سے مراد غیر اختیاری واقعات اور ناگوار حالات کے مقابل صبر و شکیب کا رویہ اختیار کرنا ہے۔ اس دینی ہدایت کے سائے میں امید کا چراغ ہمیشہ انسان کے دل میں روشن رہتا ہے اور جد و جہدِ حیات میں مایوسی، بدگمانی اور اضطراب اسے عاجز اور معطل نہیں کر سکتے۔

بلاشبہ دینی تعلیمات میں صبر کا کلمہ ذمہ داریوں اور فرائض کی ادائیگی، گناہوں سے پرہیز اور ہوا و ہوس سے اجتناب کے سلسلے میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے معنوں کی رو سے صبر سے مراد کوشش اور جدوجہد اور اطاعتِ الٰہی کی راہ میں صبر وضبط ہے اور دوسرے معنوں کی رو سے مقاومت اور استقامت ہے یعنی گناہوں کی ترغیبات کے خلاف صبر کرنا ہے اور قدموں میں لغزش نہ آنے دینا ہے۔ دراصل اس بارے میں کمیونسٹوں کے تمام بیانات کی جڑ مختلف ادیان و مذاہب سے ان کی ناواقفیت ہے۔

اگر ہم ذرا باریک بینی سے دیکھیں تو اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ ان مغالطہ آمیز استدلالات کے پیچھے ایک دوسری حقیقت پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کمیونسٹوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ ادیان و مذاہب ان کے مقاصد کی راہ میں بنیادی رکاوٹوں میں سے ایک ہیں۔ کیونکہ مذہب شخصی ملکیت (البتہ بہت سی قیود و شرائط کے ساتھ) کے اصول کے احترام کے علاوہ اخلاقیات اور اجتماعی قوانین کے ایک سلسلے کی پشت پناہی کرتا ہے اور ان جلد بازیوں اور خلاف ورزیوں کی مزاحمت کرتا ہے جن کا کمیونسٹ انقلاب لانے کے لیے ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اسی لیے کمیونسٹ حضرات مذاہب کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھتے ہیں۔

کمیونسٹوں کے لیے یہ حقیقت بڑی دردناک ہے کہ بہت زیادہ ممالک جیسے مشرق وسطیٰ کے ممالک جو کمیونزم کے قبول کرنے کی زیادہ آمادگی رکھتے ہیں کیونکہ وہ بے روزگاری اور افلاس میں مبتلا ہیں

اور ان سرمایہ دار استعماری طاقتوں کے خلاف شدید نفرت رکھتے ہیں جنھوں نے انھیں برسوں اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔اس کے باوجود یہ ممالک کمیونزم کے پرچم کے نیچے جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں اب تک جو کوششیں اور مشقتیں کی گئی ہیں ان کا نتیجہ صفر رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ وہی مذہب کا وجود ہے۔

ایک دوسرا اہم پہلو

مذاہب کے خلاف جنگ میں کمیونسٹوں کا طرز عمل

کمیونسٹ سیاست داں' اکثر سیاست دانوں کی طرح اپنے عملی اقدامات میں اس اصول کی پیروی کرتے ہیں کہ ضروریات کو اصول وضوابط پر تقدّم حاصل ہے۔یعنی وہ سیاسی مفادات اور بین الاقوامی ضرورتوں کو اپنے اصولی نظریات پر مقدّم رکھتے ہیں۔

چنانچہ یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ادیان ومذاہب کے خلاف کمیونسٹوں کی جنگ ایک طرح کے تذبذب سے دوچار رہی ہے۔خصوصًا اسٹالن کے بعد جو لوگ برسرِاقتدار آئے انھوں نے مذہب کے بارے میں زیادہ نرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔

کیونکہ ایک جانب تو انھوں نے یہ بات جان لی ہے کہ ایشیا اور افریقہ کے ممالک (خصوصًا مشرقِ وسطیٰ کے ممالک) استعماری طاقتوں کے دباؤ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کسی پناہ گاہ کے متلاشی ہیں اور دوسری جانب ان کے مذہبی

جذبات کو اگر ٹھیس پہنچائی جائے تو وہ ناگوار اور نقصان دہ ردّ عمل کا اظہار کرتے ہیں ایسے ہی کچھ دوسرے اسباب بھی ان کے اس نرم رویے کے پیچھے کارفرما رہے ہیں۔

ایسے تمام اسباب کے پیش نظر انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کمیونزم کو مسلّط کرنے کے لیے ہر طرح کا دباؤ ان علاقوں میں نقصان دہ ہوگا۔ لہٰذا کمیونسٹ طاقتوں نے آج دوستی اور سیاسی واقتصادی اور ایک حد تک تہذیبی ہم آہنگی پر قناعت کر لی ہے اور ان ممالک کے کمیونزم کے خلاف معاہدات میں شریک نہ ہونے پر بھی قناعت کر لی ہے۔ اور اس حال میں جبکہ کمیونسٹ طاقتوں کی رقیب استعماری طاقتیں مختلف سیاسی غلط فہمیوں اور غلطیوں سے دوچار ہیں کمیونسٹ طاقتیں دنیا بھر کی آزادی کی تحریکوں کی حمایت کر کے اور انھیں وسیع اقتصادی امداد فراہم کر کے ان کے ملکوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے میں مصروف ہیں اور یہ تاثر دینے کے لیے کہ روس میں مذہب کو آزادی حاصل ہے وہ ماسکو میں عرب ممالک کے نمائندوں کے سامنے مسجد میں نمازِ جمعہ کا اہتمام کرتی ہیں اور چند مسلمانوں کو ہر سال حج کے لیے بھی روانہ کرتی ہیں۔ اور انھوں نے قفقاز اور ایسے ہی دوسرے علاقوں میں چند شیخ الاسلام اور چند فقیہانِ اسلام کو بھی مقرر کر رکھا ہے۔

اسلام کے انقلابی افکار اور حقیقی معارف کے ادراک کیلئے

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

کی پیش کش

کتاب	مصنف	قیمت
ہمارا پیام	الشہید سید محمد باقر الصدر	۱۵/-
کتاب المؤمن	حسین بن سعید اہوازی	۲۰/-
تذکرۂ مجید۔ شہید ثالث	سید سبط الحسن مہنسوی	۱۵/-
تشیّع اور رہبری	الشہید سید محمد باقر الصدر	۱۰/-
درسِ قرآن	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۴۰/-
درسِ انقلاب	محمد مہدی الآصفی	۱۰/-
صدائے حضرتِ سجادؑ	محمد یوسف حریری	۲۰/-
فکرِ حسینؑ کی الف ب	ڈاکٹر محمد رضا صالحی کرمانی	۲۵/-
تفسیرِ عاشورا	سید علی شرف الدین موسوی	۲۰/-
مکتبِ تشیّع اور قرآن	سید علی شرف الدین موسوی	۷/-
عاشورا اور خواتین	ڈاکٹر علی قائمی	۲۵/-
عورت پردے کی آغوش میں	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۲۰/-
آسان مسائل	حجۃ الاسلام شیخ محمد وحیدی	۱۵/-
مادیت و کمیونزم ؟	آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی	۱۲/-
اسلام دینِ حرکت	ڈاکٹر علی قائمی	زیرِ طبع
فلسفۂ امامت	محمد مہدی الآصفی	زیرِ طبع
پیامِ شہیداں	ڈاکٹر علی قائمی	زیرِ طبع
شرحِ اصطلاحاتِ اسلامی	ڈاکٹر علی محمد نقوی	زیرِ طبع
عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز	آیت اللہ جعفر سبحانی	زیرِ طبع
درسِ عقائدِ اسلامی	اہلِ قلم کی ایک جماعت	زیرِ طبع
حسین شناسی	محمد یزدی	زیرِ طبع